

تَقَاتِ كَانَتْ كُنْتُ فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حُسْنِي مِوَاهِ

خطبات مدراس

سید سلیمان ندوی

اداره مطبوعات طلبہ

۱۔ اے ذیلدار پارک اچھترہ، لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلا خطبہ

انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی
سیرتوں سے ہوتی ہے

دنیا کا یہ طلسمی کارخانہ رنگارنگ عجائبات سے معمور ہے۔ قسم قسم کی
مخلوقات ہیں۔ ہر مخلوق کی علیحدہ علیحدہ صفیں اور خاصیتیں ہیں۔ جمادات
سے لے کر انسان تک اگر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ تدریج اور آہستہ آہستہ
ان میں احساسِ ادراک اور ارادہ کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جمادات کی ابتدائی
قسم مثلاً ذرات (ایٹمز) یا پتھر ہر قسم کے احساسِ ادراک اور ارادہ سے
خالی ہے۔ جمادات کے اور اقسام میں ایک طرح کی زندگی کا ہلکا سا نشان
ملتا ہے۔ نباتات میں احساسِ ایک غیر ارادی کیفیت نشوونما کی صورت میں
جلوہ گر معلوم ہوتی ہے۔ حیوانات میں احساس کے ساتھ ارادہ کی حرکت بھی
ہے۔ انسان میں احساسِ ادراک اور ارادہ پورے کمال کے ساتھ پایا جاتا
ہے۔ یہی احساسِ ادراک اور ارادہ ہماری تمام ذمہ داریوں کا اصل سبب ہے۔
مخلوق کی جس صفت میں جس حد تک چیزیں کم ہیں اسی حد تک ارادی فرائض
کی ذمہ داریوں سے آزاد ہے۔ جمادات سرے سے ہر قسم کے فرائض
سے محروم ہیں۔ نباتات میں زندگی اور موت کے کچھ فرائض پیدا ہو
جاتے ہیں۔ حیوانات میں کچھ اور فرائض بڑھ جاتے ہیں۔ انسانوں

کو دیکھئے تو وہ فرائض کی پابندیوں سے سراسر حکمراں ہوا ہے۔ پھر انسان کے مختلف اقدار پر نظر ڈالئے تو محض 'پاکل'، 'بیوقوف'، 'بچے ایک طرف اور عاقل'، 'بالغ'، 'دانا'، 'ہشیار'، 'عالم دوسری طرف' اسی احساسِ ادراک اور ارادہ کی کمی و بیشی کے لحاظ سے اپنے اپنے فرائض کچھ نہیں رکھتے، یا کم رکھتے ہیں یا بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

دوسری حیثیت سے دیکھئے کہ جس مخلوق میں احساسِ ادراک اور ارادہ کی جتنی کمی ہے اتنی ہی فطرت اور قدرت الہی اس کی پرورش اور نشوونما کے فرائض کا بار خود اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے اور جیسے جیسے مخلوقات آنکھیں کھولتی جاتی ہیں فطرت اس بار کو ان کے احساس و ادراک و ارادہ کے مطابق ہر صنفِ مخلوق پر ڈالتی جاتی ہے۔ پہاروں کے محل و گہر کی پرورش کون کرتا ہے؟ سمند کی پھیلیوں کو کون پالتا ہے؟ جنگل کے جانوروں کی غور و پرداخت کا فرض کون انجام دیتا ہے؟ حیوانات کی بیماری اور گرمی سڑی کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟ یہاں تک کہ سرد یا گرم مقامات کے رہنے والے حیوانوں اور پہاڑی جنگلی اور صحرائی جانوروں میں بھی باوجود ایک ہی قسم کی نوعِ حیوان ہونے کے آب و ہوا کی مختلف ضروریات کی بنا پر آپ ان کی ظاہری حالتوں میں صریح فرق پائیں گے۔ یورپ کے کتے اور افریقہ کے کتے کی ضرورتوں میں موسم اور آب و ہوا کے اختلاف کے سبب سے جو اختلافات ہیں اس کا سامان بھی فطرت خود اپنی طرف سے کرتی ہے اور اسی لئے مختلف آب و ہوا اور موسم کے ملکوں کے جانوروں میں پیچہ، بال، روئیں، کھال کے رنگ اور دھڑکی

چیزوں میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔

یہ تو حصولِ منفعت کی صورتیں اور شکلیں تھیں جن سے آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ جہاں جس حد تک احساسِ ادراک اور ارادہ کی کمی ہے، فطرت اور قدرت خود اس کمی کی کفالت کر لیتی ہے اور جیسے جیسے مخلوقات الہی درجہ بدرجہ بلوغ کے مرتبہ کو پہنچتی جاتی ہے فطرت منافع کی صورتیں خود ان کے قویٰ کے سپرد کر کے علیحدہ ہوتی جاتی ہے۔ انسان کو اپنی روزی کا سامان آپ کرنا پڑتا ہے۔ وہ کاشتکاری اور درختوں کے لگانے اور میوؤں کے پیدا کر نیکی محنت اٹھاتا ہے۔ سردی گرمی سے بچنے کے لئے اس کو قطری کھالی روئیں اور اون نہیں دیئے گئے۔ اس کا سامان مختلف لباسوں کی شکل میں اس کو خود کرنا ہوتا ہے۔ بیماریوں اور زخموں کو دور کرنے کیلئے اس کو خود کوشش کرنی پڑتی ہے۔

دوسری طرف دیکھئے کہ جہاں جس حد تک احساس اور ارادہ کا ضعف ہے دشمنوں سے بچاؤ اور زندگی کی حفاظت کا سامان فطرت نے خود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ مختلف جانوروں کو ان کی حفاظت کیلئے مختلف ذرائع دیئے گئے ہیں۔ کسی کو تینویں بچے، کسی کو ٹیلی دانت، کسی کو سینگ، کسی کو اڑنا، کسی کو تیرنا، کسی کو تیز دوڑنے کی قوت، کسی کو ڈنگ کسی کو دانتوں کا زہر، غرض مختلف آلات واسلحہ سے خود فطرت نے ان کو مسلح کر دیا ہے۔ مگر غریب انسان کو دیکھو کہ اس کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے نہ ہاتھی کے بڑے بڑے دانت اور سونڈ ہیں، نہ شیروں کے ٹیلی دانت اور

بیچے۔ نہیلیوں کے سینک، نہ کتوں اور سانپوں کا نہ ہرنہ بھجیوں اور
 بھڑوں کے ڈنگ، غرض ظاہری حیثیت سے وہ ہر طرح نہتا اور غیر مسلح
 بنایا گیا ہے مگر ان سب کی جگہ اس کو احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ
 کی زیر دست قوتیں دی گئی ہیں اور یہی معنوی قوتیں اس کی ہر قسم کی ظاہری
 کمزوریوں کی ملاتی کرتی ہیں اور اپنی ان معنوی قوتوں سے بڑے بڑے
 دانستوں اور سونڈوں والے ہاتھیوں کو زیر کر لیتا ہے۔ تیز بیچے اور بڑے
 جبرٹے والے شیروں کو چیر ڈالتا ہے۔ خوفناک زہریلے سانپوں کو بکڑ لیتا
 ہے۔ ہوا کے پرندوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔ پانی کے جانوروں کو چھنا لیتا ہے
 اور اپنے بچاؤ کے لئے سینکڑوں قسم کے ہتھیار۔ اسلحہ اور سامان پیدا کرتا
 رہتا ہے۔

دوستو! تم خواہ کسی مذہب اور کسی فلسفہ کے معتقد ہو۔ تم کو یہ
 تسلیم کرنا ہو گا کہ تمہاری انسانی ذمہ داریوں کا اصلی سبب تمہارے احساس
 ادراک، تعقل اور ارادہ کی قوتیں ہیں۔ اسلام میں ان ذمہ داریوں کا شرعی
 نام تکلیف ہے۔ یہ تکلیف خود تمہارے اندرونی اور بیرونی قوی کے مطابق
 تم پر عاید ہے۔ اسلام کا خدا یہ اصول بتاتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ)
 خدا کسی نفس کو تکلیف نہیں
 دیتا لیکن اسکی وسعت کے مطابق

یہی ”تکلیف“ کی ذمہ داری اور فرض ہے جو دوسری جگہ امانت کے
 لفظ سے قرآن میں ادا ہوا ہے۔ یہ امانت کا بار حجرات، نبیائے حیوانیہ
 بلکہ بڑے پہاڑوں اور اونچے آسمانوں کے سامنے پیش کیا گیا لیکن ان

میں سے کوئی اس کو اٹھانہ سکا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ
فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلَهَا وَأَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ
إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں
پر اس امانت کو پیش کیا تو انہوں نے
(فطری) عدم صلاحیت کی بنا پر یہاں
سے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔
اور اس سے ڈرے پھر انسان نے اس کو
اٹھالیا بیشک وہ ظالم اور نادان تھا۔

(احزاب - ۹)

آسمان بار امانت نہ تو اٹھ سکتا تھا
ظالم و نادان دیوانہ عشق کی دوسری تعبیر ہے۔ ظالم یعنی اپنی حد
سے آگے بڑھ جانے والا۔ یہ صفت انسان کی عقلی قوت کی بے اعتدالی کا اور
جابل و نادان ہونا اس کی عقلی و ذہنی قوت کی بے اعتدالی کا نام ہے مظلوم
کا مقابل عادل اور جہول کا مقابل عالم ہے۔ عدل اور علم جو بالفعل انسان
کو حاصل نہیں۔ ان کو حاصل کرنے کے لئے اس کی عقلی قوت میں عدل یعنی
میانہ روی اور اعتدالی اور ذہنی قوت میں علم اور معرفت کی ضرورت ہے
قرآن مجید کی اصطلاح میں عدل کا دوسرا نام ”عمل صالح“ اور علم کا دوسرا
نام ”ایمان“ ہے۔

وَالْعَصْرَ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ
خَسِيرٌ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

زمانہ کی قسم بیشک انسان گھٹا
میں ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان
لائے اور نیک کام کئے۔

یہ نقصان اور گھٹا وہی ظلم علمی اور جہل علمی ہے اور اس کا علاج
”ایمان“ یعنی علم صحیح اور ”عدل“ یعنی عمل صالح ہے۔ اس واقعہ کی شہادت

میں کہ انسانیت اس وقت تک گھاٹے اور ٹوٹے میں ہے جب تک اس کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو پیش کیا ہے۔ زمانہ سے مقصود وہ واقعات، حوادث اور آثار ہیں جو زمانہ کے آغاز سے آج تک دنیا میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ کارلائل کے مشہور فقرہ کے مطابق ”تاریخ صرف بڑے لوگوں کی سوانحیوں کے سلسلہ کا نام ہے۔“ زمانہ کی تاریخ خود اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا میں وہ تمام قومیں اور قوموں کے وہ تمام افراد ہمیشہ گھاٹے اور ٹوٹے میں رہے ہیں اور یرباد و ہلاک ہوئے ہیں جو ایمان اور عمل صالح سے محروم تھے۔

دنیا کے تمام انسانی صحیفے، تمام مذہبی کتابیں۔ تمام اخلاقی قصے اور انسانوں کے بننے اور بگڑنے کی تمام حکایتیں، ظلم و جہل، اور ایمان و عمل صالح کی دو رنگیوں سے معمور ہیں۔ ایک طرف ظلم، جہل، شر، تاریکی اور دوسری طرف عدل، عمل صالح، خیر اور نور کی حکایتیں داستانیں اور تاریخیں ہیں اور جن افراد نے ان انسانی ذمہ داریوں کو قبول کیا ان کی تعریف اور جہنوں نے ان سے انکار کیا ان کی بُرائی کے بیانات ہیں۔ یونانی الیڈ۔ رومی پیرل لاؤز۔ ایرانی شاہنامہ۔ ہندی مہا بھارت اور رامائن اور گیتا کیسا ہیں؟ ہر قوم کے سامنے اس کے بڑے بڑے اشخاص اور اکابر رجال کی زندگیوں سے علم و جہل، ظلم و عدل، خیر و شر اور ایمان و کفر کی معرکہ آرائیوں کی عبرت آموز مثالیں ہیں تاکہ ہر قوم ظلم، شر اور کفر

کے بُرے میٹھوں سے بچ کر عدلیٰ خیر اور ایمان کی مثالوں سے فائدہ اٹھائے۔

تورات، انجیل، زبور، اور قرآن پاک کے بیشتر مضامین کیا ہیں؟ ظالم، شریر اور کافر قوموں اور افراد کی تباہی اور عادل، نیک اور مومن قوموں اور افراد کی سعادت اور فلاح و کامیابی کی نظریں، تاکہ ان کو سن کر ظالم عادل بنیں، شریر نیک ہوں، اور کافر مومن بن جائیں اسی لئے خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں خدا کے پیغمبر اور فرستائے آئے اور وہ اپنی اپنی قوموں کے سامنے اپنی زندگی نمونہ کے طور پر پیش کریں تاکہ ان کی پوری قوم یا اس کے نیک افراد فلاح اور کامیابی حاصل کریں۔ اور آخر میں آنحضرت صلعہ کو رحمت عالم بنا کر بھیجا گیا۔ تاکہ وہ تمام عالم کے لئے دنیا میں اپنی زندگی کا نمونہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائیں۔ آنحضرت صلعہ کی زبان مبارک سے قرآن مجید نے یہ اعلان کیا :-

فَقَدْ بَشَّرْتُ فِیْكُمْ عُمْرًا مِّنْ تَوَلَّی (قریشیہ) میں اس قَبْلِهِ أَقْلًا تَعْقِلُونَ۔ (یونس) (دعوائے نبوت) سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر رہا ہوں۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

اس آیت پاک میں درحقیقت وحی الہی نے خود اپنے پیغمبر کی سوانح عمری اور سیرت کو اُس کی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ بہر حال تاریخ کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں جنہوں نے آنے والوں کے لئے اپنی اپنی زندگیاں نمونہ کے طور پر

بیش کی ہیں، ایک طرف شاہانِ عالم کے باستان و شکوہ دربار ہیں۔ ایک طرف سپہ سالاروں کے جنگی پرے ہیں۔ ایک طرف حکماء اور فلاسفوں کا متین گروہ ہے، ایک طرف قاتلینِ عالم کی پُر حیلالی صفیں ہیں، ایک طرف شعراء کی بزمِ رنگیں ہے۔ ایک طرف دولتمندوں اور خزانوں کے مالکوں کی نرم گدیاں اور کھنکھاتی تجوریاں ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کاریج کاہنیاں۔ مقدونیہ کا اسکندر۔ روم کا سیزر۔ ایران کا دارا۔ یورپ کا نیپولین ہر ایک کی زندگی ایک کشش رکھتی ہے۔ سقراط افلاطون ارسطو، دیوجانیس اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپتر تک تمام حکماء اور فلاسفوں کی زندگیوں میں ایک خاص رنگ

نمایاں ہے۔ نمرود۔ فرعون اور ابو جہل و ابولہب کی دوسری شخصیتیں ہیں۔ قارون کی ایک الگ زندگی ہے۔ غرض دنیا کے سٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں۔ جو بنی آدم کی عملی زندگی کے لئے سامنے ہیں۔ لیکن بتاؤ کہ ان مختلف اصنافِ انسانی میں سے کس کی زندگی نفعِ انسان کی سعادت، فلاح اور ہدایت کی عناصر اور کفیل اور اس کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے فلاح اور سپہ سالار ہیں۔ جنہوں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبعی الٹ دیئے ہیں لیکن کیا انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لئے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا۔ کیا ان کی تلوار کی کاٹ میدانِ جنگ سے آگے بڑھ کر انسانی ادھام

حیالاتِ فاسدہ کی بیڑیوں کو بھی کاٹ سکی؟ انسانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی بھی سلجھا سکی؟ انسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کر سکی؟ ہماری روحانی مایوسیوں اور ناموسیوں کا کوئی علاج بنا سکی؟ ہمارے دلوں کی ناپاکی اور زنگ کو مٹا سکی؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی؟

دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن حیاہی دنیا کے یہ شہنشاہ عمل دنیا میں بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ اسی لئے افلاطون کے مشہور نظامِ حکومت میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی۔ ہومر سے لے کر آج تک فوری جوش و ہنگامہ کی پیدائش اور خیالی لذت و الم کی افزائش کے سوا نسلِ انسانی کو اس کی زندگی کے مشکلات دور کرنے کے لئے یہ لوگ کوئی صحیح مشورہ نہ دے سکے۔ کیونکہ ان کی شیریں زبانوں کے پیچھے ان کے حسنِ عمل کا کوئی خوشنما نمونہ نہ تھا اس لئے قرآنِ پاک نے کہا:-

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ
أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَكْمِئُونَ
أِلَّا الذِّينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
(شعراء، ع ۱۱)۔

اور شاعران کی پیروی بکے ہوئے
لوگ کرتے ہیں کیا ترہیں دیکھتا کو
سروادی میں ٹھکتے رہتے ہیں اور وہ
جو کہتے ہیں اس کو کرتے نہیں لیکن وہ لوگ

جو ایمان لائے اور نیک کام کئے
قرآنِ پاک نے ان کی شیریں زبانی کے بے اثر ہونے کا فلسفہ
بھی بتا دیا کہ وہ خیالات کی وادیوں میں ٹھکتے رہتے ہیں اور ایمان و
عمل صالح کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس دولت سے

مالا مال ہوں تو کچھ نہ کچھ ان کی باتوں میں ضرور اثر ہوگا۔ تاہم وہ اصل گواہ
ہدایت کے عظیم نشانِ فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے۔ دنیا کی تاریخ خود اس
واقعہ پر گواہ ہے۔

حکماء اور فلاسفر جنہوں نے بارہا اپنی عقلِ رسا سے نظامِ عالم
کے نقشے بدل دیئے ہیں۔ جنہوں نے عجائباتِ عالم کی طلسم کشائی کے
حیرت انگیز طریقے پیش کئے ہیں وہ بھی انسانیت کے نظامِ ہدایت
کا کوئی عملی نقشہ پیش نہ کر سکے اور نہ فرائضِ انسانی کی طلسم کشائی میں
کوئی عملی امداد دے سکے کہ ان کی دقیق نکتہ سمجھیوں اور بلند خیالیوں
کے پیچھے بھی حسنِ عمل کا کوئی نمونہ نہ تھا۔ ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد
ڈالی۔ ہیریونورسٹی میں اس کے اتھکس پر بہترین لکچر دیئے جاتے ہیں۔
اور اخلاقی مسائل میں اس کی نکتہ آفرینیوں کی داد دی جاتی ہے۔
لیکن سچ بتاؤ اس کو پڑھ کر یا سُن کر نوعِ انسانی کے کتنے افسردہ
راہِ راست پر آئے۔ آج دنیا کی ہیریونورسٹی میں اتھکس کے بڑے
بڑے لائقِ پروفیسر اور اساتذہ موجود ہیں مگر ان کے علمِ اخلاق کے
فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ اثر ان درسگاہوں کی چار دیواری سے
کبھی آگے بڑھ سکا؟ یا بڑھ سکتا ہے؟ اس لئے کہ جب ان کمروں
سے نکل کر وہ باہر میدان میں آتے ہیں تو ان کی عملی زندگی عام افرادِ
انسانی سے ایک پانچ بھی بلند نہیں ہوتی اور انسانِ قانون سے نہیں
آنکھوں سے بنتا ہے۔

دنیا کے اسٹیج پر بڑے بڑے بادشاہ اور حکمران بھی روتا ہوئے ہیں

لیکن ان کے قانون کی عمر نے بھاری دولت نہ پائی اور اس کے ماننے والوں کو دل کی صفائی کا راز نہ ملا۔ دوسرے دور کے حاکموں اور دانشوروں نے خود اس کو خوف غلط سمجھ کر مٹا دیا اور اپنی مرضی اور اپنی مصلحتوں کے مطابق نہ کہ انسانوں کی اصلاح کی خاطر اس کی جگہ دوسرا قانون بنالیا اور آج بھی یہی حالت قائم ہے۔ آج اس مہذب دور حکومت میں بھی یہی صورت قائم ہے کہ آئین ساز مجلس بنائی گئی ہیں جو اپنے ہر اجلاس میں آج جو بناتی ہیں کل اس کو مٹاتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ انسانوں کی خاطر نہیں بلکہ حکومتوں کی خاطر ہوتا رہتا ہے۔

عزیز دوستو! تم نے صنفِ انسانی کے بلند پایہ طبقوں میں سے جن سے انسانوں کی بھلائی اور سدا کی توقعات ہو سکتی ہیں ہر ایک کا جائزہ لے لیا۔ غور سے دیکھو اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی ادا چھائی کا تو رہے، جہاں کہیں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اجمال ہے، کیا وہ صرف انہی بزرگوں کی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ نہیں ہے۔ جن کو ہم انبیائے کرام کے نام سے جانتے ہو؟ پہاڑوں کے غار۔ جنگلوں کے جھنڈ۔ شہروں کی آبادیاں غرض جہاں بھی رحم، انصاف، غریبوں کی مدد دہنیوں کی پرورش اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے وہ اسی برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا دائمی اثر ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق :-

إِنَّ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر)
کوئی قوم نہیں جس میں (کوئی انسان) ہشیار کر نیوالا نہ گذرا۔
وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)
اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے۔

آج ہر قوم اور سر ملک میں انہی کی برکتوں کا احوال نظر آتا ہے۔
 اور ہر طرف انہی کی پکاروں کی آواز یا زگشت شائی دیتی ہے۔ افریقہ کے
 وحشی ہوں یا یورپ کے مہذب سب کے دلوں کی صفائی انہیں کے سرچشموں
 سے ہوتی ہے اور ہو رہی ہے۔ اوپر جتنے بلند پایہ اور عالی رتبہ انسانی
 طبقتوں کے نام آئے ہیں ان میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ وہ طبقت
 ہے جو بادشاہوں کی طرح جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کرتا ہے۔
 اس کی حکمرانی کی زمین دنیا کی مملکت نہیں بلکہ دلوں کی مملکت ہے۔

سہ سالاروں کی طرح تیغ بکھت نہیں تاہم وہ گناہوں کے پرے اور آلودگیوں
 کی صفیں دم کے دم میں الٹ دیتا ہے۔ وہ گویا خیالی شاعر نہیں لیکن اس کی
 شیریں بیانیوں کے ذائقے سے اب تک انسانوں کے کام و دہن لطف اٹھا
 رہے ہیں۔ وہ گویا ہری طور پر قانون ساز اور مجلسوں کے سینٹر نہ تھے لیکن
 صدہا اور ہزار ہا سال گزر جانے کے بعد بھی ان کا قانون اسی طرح زندہ
 ہے۔ جو خود حاکموں اور عدالتوں پر حکمران ہے اور بلا تفریق شاہ گدا
 اور بادشاہ و رعایا سب پر یکساں جاری ہے۔

یہاں مذہب اور اعتقاد کا سوال نہیں بلکہ عملی تاریخ کا سوال
 ہے۔ کہ آیا یہ واقعہ ہے یا نہیں؟ یا ٹلی پتر کے راجہ اشوکا کے احکام صرف
 پتھر کی لالٹوں پر کندہ ہیں مگر بودھ کا حکم دلوں کی تختیوں پر منقوش ہے۔
 جین ہستناپور (دہلی) اور قنوج کے راجاؤں کے احکام مٹ چکے ہیں
 لیکن منوجی کا دھرم شاستر اب تک ناقد اور جاری ہے۔ بابل کے سب
 سے پہلے قانون ساز بادشاہ حمورابی کے قانونی دفعات مدت ہوئی کہ مٹی
 کے ڈھیر میں دفن ہو گئے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم آج بھی موجود

ہے۔ فرعون کی ندائے اِنَّا رَبُّكَ الْاَعْلٰی کئے دن قائم رہی؟ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز کا آج بھی زمانہ معترف ہے۔ سولن کے بنائے ہوئے قانون کئے دن چل سکے؟ مگر تورات کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں میں عدل کی ترازو سہاں طرح ملک قانونس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عدالت میں گتھار ٹھہرایا تھا۔ صدیاں گزریں کہ معدوم ہو چکا مگر حضرت عیسیٰ کی تعلیم ہدایت آج بھی گتھگاروں کو نیک اور مجرموں کو پاک بنانے میں اسی طرح مصروف ہے۔ ملکے ابو جہل۔ ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں مگر شہنشاہِ مدینہ کی فرمانروائی بدستور قائم اور مسلم ہے۔ دوستو! میرے گذشتہ بیانات تمے اگر تمہارے دلوں میں تشفی کا کوئی اثر پیدا کیلئے ضرورت اپنے عقیدہ سے نہیں بلکہ عقلی استدلال اور دنیا کی عقلی تاریخ سے تمہارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو گیا ہو گا کہ بنی نوع انسان کی حقیقی بھلائی۔ اعمال کی نیکی۔ اخلاق کی بہتری۔ دلوں کی صفائی اور انسانی قوتوں میں اعتدال اور میانداری پیدا کرنے کی کامیاب کوشش اگر کسی طبقہ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے جو خدا کے فرستادہ ہو کر اس دنیا میں آئے اور دنیا کو نیک تسلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد بھی لوگوں کے لئے چلنے کا ایک راستہ بنا کر چھوڑ گئے۔ جن کی تعلیم و عمل کے سرچشمہ سے بادشاہ اور رعایا۔ امیر و غریب۔ حایل و عالم سب برابر کا فیض پائے ہیں۔

وَبَلَدٌ حُجَّتْنَا اَتَيْنَاهُمْ اِهْلًا مَّرَاهِمُ اور ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر اپنی
 عَلٰی قَوْمِهِ دَنَرَقَعُ دَرَجَتٍ حجت پیش کرنے کیلئے، یہ دلیل عنایت کی۔
 مِّنْ نَّشَأُوْا اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ ہم میں کو چاہتے ہیں بدرجہا بلند کر دیتے

عَلِيمٌ ذُو فَهْمٍ نَالَهُ اسْمَاقُ
 وَتَعْقُوبَ كَلَّا هَذَا دُرُوحًا
 هَدِيَّا مِنْ تَبَلُ وَمِنْ دُرِّيَّةِ
 دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَآيُوبَ
 وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ
 وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ
 وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى
 وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
 وَكَوْثًا وَكَوْثًا فَضَّلْنَا
 عَلَى الْعَالَمِينَ وَوَمِنْ
 آيَاتِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ
 وَإِخْوَانِهِمْ وَأَجْتَبَيْنَاهُمْ
 وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ
 مُسْتَقِيمٍ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى
 اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ
 مَنّٰ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
 وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ
 عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
 أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْجَلْنَاهُمْ
 فِي الْكِتَابِ وَالْحُكْمُ

ہیں بیشک نیرا پروردگار حکمت والا اور علم والا
 ہے۔ اور ہم نے ان (ابراہیم کو اسحاق اور
 یعقوب عطا کئے ہر ایک کو (انجس سے)
 ہدایت بخشی۔ اور ہم نے (ابراہیم سے) پہلے
 نوح کو ہدایت دی اور ان (ابراہیم) کی
 نسل سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب
 اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی
 اور ہم نیکو کامروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں
 اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور ایسا کو
 ہدایت دی۔ ہر ایک بلوان میں کامیاب
 لوگوں میں تھا۔ اور اسمعیل اور اسحاق
 اور یونس اور لوط کو ہدایت دی
 اور ان میں سے ہر ایک کو دنیا میں
 (اس کے زمانہ کے لوگوں) پر فضیلت
 بخشی اور ان کے بزرگوں اور ان
 کی اولادوں اور ان کے بھائیوں
 میں سے اور ان کو چنا اور ان
 کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کی۔
 یہی خدا کی ہدایت ہے۔ اپنے
 بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے
 ہدایت دیتا ہے۔ اگر وہ شرک
 کرتے تو ان کے سارے کام برباد

وَالنَّبِيُّ لَا فَائِدَ يَكْفُرُ
بِهَآهُؤَلَاءَ فَمَدَّ
وَكَلَّمْنَا بِهَآ قَوْمًا
لَّيْسُوا بِهَآ يَكْفُرِينَ
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
هَدَى اللَّهُ فَبْهَدُهُمْ
أَقْبَدَهُمُ (الانعام: ١٠)

جاتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے
کتابِ قوتِ فیصلہ اور پیغمبریِ غایت
کی۔ تو اگر یہ لوگ جو ان کے نام لیوا
آج موجود ہیں۔ ان نعمتوں کی ناشکری
کریں تو ہم نے ان نعمتوں کو ایسے
لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے سپرد کر دیا جو
انکی ناقدری نہیں کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں
جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو تو بھی
انہی کی ہدایت کی پیروی کر۔

ان پاک آیتوں میں انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے
اصنافِ انسانی میں سے ایک خاص طبقہ کے پختہ افراد کے نام
بتائے گئے ہیں جن کی پیروی اور تعلیم ہماری روحانی بیماریوں کا
علاج اور اخلاقی کمزوریوں کا درماں ہے۔ یہی وہ مقدس گرو
ہے جو خدا کی بسائی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں میں
اپنی تعلیم و ہدایت کا چراغ روشن کرتا رہا۔ آج انسان کے سربراہ
میں فلاح۔ سعادت۔ اخلاص۔ نیک اعمال اور بہترین زندگیوں کے
جو کچھ اثرات و نتائج ہیں وہ سب انہی بزرگوں کے فیوض و برکات
ہیں۔ وہ جگہ جگہ اپنے نقشِ قدم چھوڑ گئے۔ اور دنیا کم و بیش انہی پر
چل کر اپنی کوششوں کی کامیابی کو ڈھونڈ رہی ہے۔

روح کا جوشِ تبلیغ۔ ابراہیم کا ولولہٴ تحسین۔ اسحاق کی وراثت

پدری - اسماعیل کا ایشار - موسیٰ کی سعی و کوشش - ہارون کی فاقہ
 حق - یعقوب کی تسلیم - داؤد کا غربت حق پر ماتم - سلیمان کا سرور و مکت
 زکریا کی عبادت - یحییٰ کی عفت - عیسیٰ کا زہد - یونس کا اعترافِ قصور
 لوط کی جانفشانی - ایوب کا صبر - یہ وہ حقیقی نقش و نگار ہیں جن
 سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے اور جہاں
 کہیں ان صفات عالیہ کا وجود ہے وہ انہی بزرگوں کی مثالوں اور
 نمونوں کا عکس ہے۔

انسانوں کی عمدہ معاشرت - صحیح تمدن اور اعلیٰ مسرت کی
 تکمیل اور کائنات کے اندر اس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل
 کرانے میں یقیناً تمام کارکن طبقاتِ انسانی کا حصہ ہے۔ ہریت انوں
 نے ستاروں کی چالیں بتائیں۔ حکماء نے چیزوں کے خواص ظاہر
 کئے۔ طبیبوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے۔ مہندسوں نے
 عمارتوں کا فن نکالا۔ صناعتوں نے ہنر اور فن پیدا کئے۔ ان سب
 کی کوششوں سے مل کر یہ دنیا تکمیل کو پہنچی اس لئے ہم ان سب کے
 شکر گزار ہیں۔ مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان بزرگوں کے ہیں
 جنہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کیا۔ جنہوں نے ہماری حوصلہ شکنی
 کی اندرونی چالیں درست کیں۔ ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے
 ترتیب دیئے۔ ہمارے جذبات۔ ہمارے احساسات اور ہمارے
 ارادوں کے نغزے درست کئے۔ ہمارے نفوس و قلوب کے عروج و
 تنزل کا فن ترتیب دیا۔ جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی

تکمیل ہوئی۔ اخلاق و سیرت انسانیت کا جو ہر قرار پایا۔ نیکی اور
 بھلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار ٹھہرے۔ خداوند کا رشتہ ہم
 مضبوط ہوا اور روتر الکت کے کا بھولا ہوا وعدہ ہم کو یاد آیا۔ اگر ہم
 انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کے ان پیغام
 تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی تکمیل کو پہنچ سکتی۔
 اس لئے اس جوگزیدہ اور پاک طبقہ انسانی کے احسانات ہم انسانوں
 پر سب سے زیادہ ہیں اور اس لئے ہر فرد انسانی پر خواہ وہ کسی
 صفت سے تعلق رکھتا ہو ان کی شکرگزاری کا اظہار واجب ہے اسی
 نامِ سلام کی زبان میں صلوٰۃ و سلام ہے جو ہمیشہ انبیائے کرام کے
 نامِ نامی کے ساتھ ساتھ ہم ادا کرتے ہیں۔ اللہ صلی علیہم و آلہم
 حضرات یہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر
 گئے۔ اس عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ ان کی زندگیاں خواہ
 کتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے
 سرفراز نہ تھیں اس لئے آئندہ آنے والے انسانوں کے لئے جو
 چیز رہبر ہو سکتی ہے وہ ان کی زندگیوں کی تحریری اور روایتی عکس
 اور تصویریں ہیں۔ ہمارے پاس اس کے سوا اس سرمایہ سعادت کی
 حفاظت کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ دنیا میں پھلے جہد کے علوم، فنون،
 خیالات، تحقیقات، واقعات اور حالات کے جاننے کا اس کے
 علاوہ کوئی ذریعہ نہیں۔ انسانی زندگیوں کے انہی تحریری اور روایتی
 عکسوں اور تصویروں کا نام تاریخ اور سیرت ہے۔ ہماری زندگی کے
 دوسرے پہلوؤں میں ممکن ہے کہ ہر سانحہ زندگی میں کوئی نہ کوئی عبرت

بصیرت ہو۔ لیکن ہماری اخلاقی اور روحانی زندگی کی تکمیل و تزکیہ کے لئے صرف انبیائے کرام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والی ہستیوں کی تاربخیں اور سیرتیں ہی کارآمد اور مفید ہو سکتی ہیں۔ اب تک دنیا نے اپنی سے فیض پایا ہے اور آئندہ بھی اپنی سے فیض پاسکتی ہے۔ اس لئے دنیا کا اپنے تزکیہ اور تکمیل روحانی کے لئے ان برگزیدہ ہستیوں کی سیرتوں کی حفاظت سب سے بڑا اہم فرض ہے۔

بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم۔ اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں پاسکتی اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اس کی حامل اور عامل ہو کر قائم نہیں ہے۔ جو ہماری توجہ محبت اور عظمت کا مرکز ہو۔ جس جہاز کو دیا نامی سے ہم اوائل فروری ۱۹۲۴ء میں حجاز و مصر سے واپس آ رہے تھے۔ اتفاق سے مشہور شاعر ڈاکٹر نیگور بھی اسی پر امریکہ کے سفر سے واپس ہو رہے تھے۔ ایک رفیق سفر نے ان سے سوال کیا کہ برہمہ سماج کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ اس کے اصول بہت منصفانہ صلح کل کے تھے۔ اس کی تعلیم تھی کہ سارے مذہب سچے اور کل مذہبوں کے باقی اچھے اور نیک لوگ تھے۔ اس میں عقل اور منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی اور موجود تمدن موجودہ فلسفہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بتایا گیا تھا۔ تاہم اس نے کامیابی حاصل نہ کی۔ فلسفی شاعر نے جواب میں کتنا اچھا نکتہ بیان کیا کہ یہ اس لئے ناکامیاب ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی سیرت نہ تھی جو ہماری توجہ کا مرکز بنتی۔ اور ہماری نیکیوں کا نمونہ بنتی۔ اس نکتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اپنے نبی کی سیرت

اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہے۔

غرض ہم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کے لئے معصوم انسانوں -
بے گناہ ہستیوں اور ہر حیثیت سے باکمال بزرگوں کی ضرورت ہے
اور وہ صرف انبیائے کرام ہیں۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین



(۲)

عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل

صرف محمد رسول اللہ صلیعہم کی سیرت ہے

دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے وہ پیش نظر ہے تو سلسلہ سخن آگے بڑھے۔ میری پھیلی تقریر کا حاصل یہ تھا کہ انسان کے حال مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لئے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے، جن مختلف انسانی طبقتوں نے ہم پر احسان کئے ہیں وہ سب شکر یہ کے مستحق ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے۔ وہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اُس زمانہ کے مناسب حال اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا۔ کسی نے صبر۔ کسی نے ایثار۔ کسی نے قربانی۔ کسی نے جوشِ توحید۔ کسی نے دلورہ حق۔ کسی نے تسلیم۔ کسی نے عفت۔ کسی نے زہد۔ غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پُر پیچ زندگی کے راستے میں ایک ایک معیار قائم کر دیا ہے جس سے صراطِ مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور راہبر کی جو اس سرے سے لیکر اُس سرے تک پوری راہ کو اپنے ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے

گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائڈ بک دیدے۔ جس کو لیکر اسی کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ رہنا سلسلہ انبیاء کے آخری فرد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن نے کہا :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ
شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا
مُنِيرًا (احزاب - ۶۷)

اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا
اور (نیکیوں کو) خوشخبری سنانے والا
اور (غفلتوں کو) ہشیار کرنا والا اور خدا
کی طرف اسکے حکم سے پکارنا والا اور ایک

روشن کرنیوالا چراغ بنا کر بھیجا ہے

آپ عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں نیکی کاروں کو فلاح و سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں۔ ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں ہشیار اور بیدار کرنا والے نذیر ہیں۔ بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں۔ اور خود ہر تن نور اور چراغ ہیں۔ یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے۔ جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے۔ یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد داعی مبشر اور نذیر و غیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے مگر یہ کل صفات سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کیساتھ شاہد تھے جیسے حضرت یعقوبؑ۔ حضرت اسحاقؑ حضرت اسماعیلؑ وغیرہ بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے۔ جیسے حضرت ایساہؑ حضرت عیسیٰؑ۔ بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا جیسے حضرت نوحؑ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت شعیبؑ۔ بہت سے تھے جو ایسا زنی

حیثیت سے داعی حق تھے۔ جیسے حضرت یوسفؑ۔ حضرت یونسؑ۔ لیکن وہ جو شاید۔ میسر۔ نذیر۔ داعی۔ سراج منیر سب کچھ بیک وقت تھا۔ اور جس کے مرقع حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے۔ وہ صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتحیات تھے اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے جس کے بعد کوئی دوسرا آئیوا لانا نہ تھا۔ آپ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی۔ جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی۔ یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا۔ اس لئے آپ کی ذات پاک کو مجموعہ کمال اور دولت بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا یہ میرے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے بلکہ یہ وہ واقعہ ہے جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونہ حیات جو انسانوں کے لئے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے۔ اس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت | تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کئے جائیں وہ تاریخ اور

روایات کے لحاظ سے مستند ہوں۔ ان کی حیثیت قصوں و کہانیوں کی نہ ہو۔ بلکہ مزہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائنسولوجی یہ ہے کہ

کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر موثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے طبیعتیں اس سے دیر پا اور گہرا اثر نہیں لیتیں۔ اس لئے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم احبزار کی تاریخی پر یقین ہو۔ یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کا ملکہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی و تقلید کریں لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیونکر اس کے قابلِ عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضی اور میتھا لو جیکل قصے ہیں۔ جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا۔ اس لئے کیا پُر اثر ہونے کے لئے اول کیا قابلِ عمل اور لائق تقلید ہونے کے لئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں۔ اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن بغضِ اے قُلُوبِ الْمُؤْمِنِ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے۔ (روم)۔ بقارِ ختم نبوت اور آخری کامل انسان کی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلعم کو جو

خاص شرف عطا ہوا ہے وہ دیگر انبیاء کو اس لئے نہیں مرحمت ہوا کہ ان کو دائمی آسمانی اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ انکی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لئے

اس زمانہ کے بعد تبدیلیاں وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔ غور کرو کہ ہر ملک میں۔ ہر قوم میں۔ ہر زمانہ میں۔ ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔ ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر آئے مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں اور جتنوں کے نام جانتے بھی ہیں ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سے زیادہ قدیم اور پرانے ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے، گو وہ مسلم نہیں۔ لیکن بغور دیکھو کہ ان کے مذہب میں سینکڑوں کیرکٹروں کے نام ہیں مگر ان میں سے کسی کو تاریخ ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہتر سے بہتر کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں۔ اور عیسائیوں سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں ان کا گز بھی نہیں۔ ان میں بہتر سے بہتر معلوم کیرکٹر وہ ہیں جو مہاجرات اور راجائن کے ہیرد ہیں۔ مگر ان کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانہ کے کس دور اور دور کی کس صدی کے کس سال کے واقعے ہیں۔ اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینی زمانوں کی تعیین کرتے ہیں اور انہی کو ہائے مند تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں۔ لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ بھی نہیں دیتے اور یہ تسلیم

ہنیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالم وجود میں بھی آئی تھیں۔
 ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اس بھی
 لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا مرکز ہے مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت
 کے پردہ میں گم ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض
 شکی مزاج امریکی اور یورپین علماء کو شبہ ہے۔ مستشرقین میں سے جو
 لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سینکڑوں قیاسات سے
 اس کے حالات زندگی کی کچھ کچھ تعیین کرتے ہیں تاہم وہ بھی مختلف
 محققین کی باہمی متضاد رایوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان
 ان کے بھروسہ پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کر سکتا۔ زرتشت
 کی جائے پیدائش۔ سال پیدائش۔ قومیت، خاندان، مذہب، تبلیغ مذہب
 مذہبی صحیفہ کی اصیلت، زبان۔ سال وفات۔ جائے وفات۔ ان میں سے
 ہر ایک مسئلہ سینکڑوں اختلافات کا مرتبہ ہے اور صحیح روایتوں کا اس قدر
 فقدان ہے کہ بجز تخمینی قیاسات کے اور کوئی روشنی ان سوالات کی تاریکیوں
 کو دور نہیں کر سکتی۔ بایں ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم
 براہ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یورپین اور امریکن اسکالرز
 کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو ان کے ذاتی
 ذرائع علم ہیں وہ فردوسی کے شاہنامہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ عذر بیکار ہے
 کہ یونانی دستخطوں نے ان کو مٹا دیا۔ یہاں بہر حال ہم کو یہ بتانا ہے۔ کہ
 وہ مٹ گئے خواہ کسی طرح سے مٹے ہوں۔ اور یہی اس بات کی دلیل ہے
 کہ ان کو دوام اور بقا کی زندگی نہ ملی۔ اور کرن (KERN) اور دار میٹر
 (DAR METETER) جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیت تاریخی سے انکار

کرتا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی ہندوستان چین اور تمام ایشیائے وسطیٰ - افغانستان - ترکستان تک پھیلا ہوا تھا اور اب بھی برما - سیام - چین - جاپان اور تبت میں موجود ہے ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا۔ اور ایشیائے وسطیٰ میں اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ مگر تمام ایشیائے اٹھلی میں تو اس کی حکومت اس کی تہذیب۔ اس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے۔ اس وقت سے اب تک غیر مغتوح ہے۔ لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بدھ کے زمانہ میں وجود کی متین نگدہ دلش کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے چینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے ایک بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے۔ حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

ساتھی قوم میں سیکرڈوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ نے اور کچھ حال نہ جانا۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت زکریاؑ۔ حضرت یحییٰؑ کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا

سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال گم
ہیں۔ اب ان کی مقتدر زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک
کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید
کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں ان میں سے
ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں۔ اور اگر ان شکوک سے
ہم قطع نظر بھی کر لیں تو ان کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کس درجہ
ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا حال ہم کو تورات سے معلوم ہوتا ہے مگر خود وہ تورات
جو آج موجود ہے اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفین انسائیکلو
پیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے صد ہا سال کے بعد عالم وجود
میں آئی ہے۔ اس پر بھی اب جرمن اسکالرز نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ
تورات میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا
سلسلہ ہے جو یا ہم کہیں کہیں متضاد ہیں اور یہی سبب ہے کہ تورات کے
سوانح و واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضاد بیان سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس
تصویری کی تفصیل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے اخیر ایڈیشن کے آرٹیکل
"بائبل" میں موجود ہے۔ اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰؑ بلکہ حضرت آدمؑ
سے کہ حضرت موسیٰؑ تک کے واقعات کی تاریخی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟
حضرت عیسیٰؑ کے حالات انجیلوں میں درج ہیں۔ مگر ان بہت سی انجیلوں
میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے۔ باقی
انجیل طفولیت انجیل برناباس وغیرہ ناستند ہیں۔ ان چار انجیلوں میں
سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰؑ کو خود نہیں دیکھا تھا

انہوں نے کس سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا یہ بھی معلوم نہیں۔ بلکہ
 اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف انکی نسبت
 کی جاتی ہے، وہ نسبت صحیح بھی ہے؛ یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں
 کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں۔ سلسلہ سے لے کر
 بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرین اناجیل ان کی تصنیف کا
 زمانہ بتاتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، وفات اور تثلیث کی تعلیم
 ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریسرچسٹ یہ کہنے لگے
 ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود محض فرضی ہے۔ اور ان کی پیدائش اور تثلیث
 کا بیان یونانی عدوی متھالوجی کی محض نقالی ہے۔ کیونکہ اس قسم کے خیالات
 ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور پیرروں کے متعلق پہلے سے موجود
 تھے۔ چنانچہ چیکاگو کے مشہور رسالہ روپن کورٹ میں ہینوں حضرت عیسیٰؑ
 کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے۔ اس بیان سے عیسائی روایتوں کے
 ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی تاریخی حقیقت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے
کاملیت | کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لئے یہ بھی ضروری
 ہے کہ اس کے صحیفہ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں
 کوئی واقعہ پردہ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو۔ بلکہ اس
 کے تمام سوانح اور حالات روزِ روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں
 تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک
 آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے

اس معیار پر اگر شارعین ادیان اور بابائیان مذاہب کے سوانح
 اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلیم کے سوا اور کوئی

ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اسی لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ
خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں
لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مسلمین دین کے زمرہ میں سے صرف تین
چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخ کی کہی جاسکتی ہیں۔ لیکن کالمیت کے
لحاظ سے وہ بھی پوری نہیں ہیں۔ غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے
آج بدھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں۔ مگر
یا اس ہمہ تاریخ حثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں
کا مجموعہ ہے۔ لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دیکر
بدھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش
کریں تو ہم کو ناکامی ہوگی۔ ان قصوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے
زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں غیپالی کی ترائی کے کسی ملک میں
ایک راجہ کا لڑکا تھا جس نے فطرۃً سوچنے والی طبیعت پائی تھی جو ان
ہونے اور ایک بچہ کا یا پ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت
انسانوں پر پڑی۔ اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ
کر دیس سے نکل گیا۔ اور بنارس گیا، پالی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار)
کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا اودھا
جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے گیا کے ایک درخت
کے نیچے انکشافِ حقیقت کا دعویٰ کیا اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے
مذہب کا وعظ کرتا رہا۔ پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ خلاصہ ہے
بودھ کے متعلق بہار کے معلومات کا؟

زرشتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے۔ مگر ہم تب چکے ہیں کہ قیاس

کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ ان قیاسات کے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصہ معلومات انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے آرٹیکل زرائسٹر سے یہاں نقل کرتے ہیں :

"زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے وہ نئے ادست کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے۔ وہ ٹھیک متضاد ہے۔ اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھا ہے) تاہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی اور جو کچھ ملتا بھی ہے اس کے معنی یا تو صاف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں۔"

زرتشت کے متعلق موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون نگار لکھا ہے۔

"اس کی جائے پیدائش کی تعین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں۔"

اس کے زمانہ کے تعین کے متعلق بھی یونانی مورخین کے بیانات

نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں۔ مضمون نگار لکھا ہے :-

"زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں۔"

بہر حال جو کچھ ہم کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آذر بائیمجان کے کسی مقام میں پیدا ہوئے۔ بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی۔ ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا۔ کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے۔ اس نے شادی بیاہ کیا۔ اولادیں ہوئیں اور پھر کہیں مر گیا۔ کیا ایسی

نا معلوم ہستی کے متعلق کوئی کالیبت کا گمان بھی کر سکتا ہے۔ اور اس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لئے چراغ راہ بن سکتی ہے یا بنائی جا سکتی ہے انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کئے بیٹے ہیں۔ تاہم تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں؟ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں۔ جوان ہو کر فرعونوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں۔ پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں۔ یہاں شادی ہوتی ہے اور معتد بہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے مصر واپس جاتے ہیں۔ راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ فرعون کے پاگل پیہچتے ہیں۔ معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی رخصت چاہتے ہیں۔ رخصت نہیں ملتی۔ بالآخر غفلت میں مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں۔ خدا کے حکم سے سمندر میں ان کو راہ ہل جاتی ہے، فرعون غرق ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی قوم کو لے کر عرب او شام میں داخل ہوتے ہیں۔ کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے۔ تورات استثنائے اختتامی فقرے میں ہے:

”سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مر گیا اور اس نے اسے مواب کی ایک وادی میں بیت

فغور کے مقابل کاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔ اور موسیٰؑ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا۔ اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی بنی نہیں ہوا۔ یہ نورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں۔ جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیے کہ یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰ کی تصنیف نہیں، لیکن یا اس ہمہ دنیا حضرت موسیٰ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ ان دروسوں کے الفاظ "آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا۔ اور اب تک ویسا کوئی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔" تو ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسیٰ کے یہ تکمیلی اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں جس میں ایک مشہور یا دکار کو لوگ بھول جاسکتے ہیں۔ اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جاسکتی تھی۔

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس ۱۲۰ برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لئے ہم کو حضرت موسیٰؑ کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں۔ اور ان کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں، پیدائش۔ جوانی۔ ہجرت۔ شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں۔ پھر چنڈ لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان واقعات کو جانے دیجئے۔ یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں انسان کو اپنی سوسائٹی کے عمل نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے

وہ اخلاق و عادات اور زندگی کے طور و طریق ہیں۔ اور یہی احسن حضرت موسیٰ کی پیغمبرانہ سوانحی سے کم ہیں، ورنہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی قال و اقوال بہت کچھ تو راستہ میں مذکور ہیں مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ، کرائولوجی، نسب ناموں اور قانون دانی کے لئے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجڑاتے سوانح کی کاملیت سے معزایں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ ہیں جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے پیروؤں سے زیادہ ہیں۔ مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذاہب کے پیغمبر کی زندگی کے احسنا تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں۔ آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا خیال ہے کہ وہ بائبل و ایسیریا، عرب و شام، مصر و افریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لا رہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گتہ اور اوراق از سر نو ترتیب دے رہا ہے مگر اس کا سیمائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا وہ خود حضرت عیسیٰ کی زندگی کے مدفن و واقعات ہیں۔ پروفیسر ریٹن نے کیا کیا نہ کیا مگر حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی نہ ملنا تھے نہ مل سکے۔ انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی۔ موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں بھی وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں۔ ہم کو

ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں : وہ پیدا ہوئے اور
 پیدائش کے بعد مہر لائے گئے۔ لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے۔
 اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یک ایک تیس برس کی عمر میں
 بپتسمہ دیتے اور پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ
 کہتے نظر آتے ہیں۔ چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مظاہرے
 ہوتے ہیں۔ یہودی ان کو پکڑوا دیتے ہیں۔ رومی گورنر کی عدالت
 میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے۔ تیسرے دن
 ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے۔ تیس برس اور کم از کم پچیس
 برس کا زمانہ کہاں گزرا اور کیونکر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے
 اور رہے گی۔ ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے ؟
 چند معجزے اور مواظظ اور احسن سولی !

جامعیت | کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط
 "جامعیت" ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو
 اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا
 ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات
 کو ادا کرنے کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب
 اس اسٹیل زندگی کے ایندھن میں موجود ہوں، اس نقطہ نگاہ سے کبھی
 دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السلام والصلوة نے
 کوئی دوسری شخصیت اس سیارہ پر پوری نہیں اترتی، مذہب کیا
 چیز ہے خدا اور بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں۔
 ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے غفلتوں میں یہ کہا جاسکتا

ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے، اس لیے ہر مذہب کے پیروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق، فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں، اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں، حقوق اللہ اور حقوق عباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈیں گے تو غیر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ بودھ اور چین کے متعلق کہا جاتا ہے اس لیے ان مذہبوں میں تو خدا، اس کی ذات صفات اور دیگر حقوق الہی کا پتہ ہی نہیں، اور اس لیے ان کے بانیوں میں محبت الہی خلوص، توحید پرستی وغیرہ کی تلاش ہی بیکار ہے، دوسرے وہ مذہب ہیں جنہوں نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے، ان مذہبوں کے پیروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مقصود ہیں، خدا کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں، اور ان کے کیا اعتقادات تھے، اور ان کے اعتقادات پر ان کو کس قدر عملاً یقین تھا، اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں، پوری تورات پٹھ جاؤ، خدا کی توحید اور اس کے نام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰؑ کے تعلقات قلبی، اور طاعت و عبادت، اور خدا پر توکل و یقین، خدا کے صفات کاملہ والہیہ کی جلوہ گری ان کے قلب اقدس میں کہاں تک تھی، حالانکہ اگر موسیٰ مذہب ہمیشہ کے لیے اور آخری مذہب کے

طور پر آیا ہوتا تو اس کے پیروں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو تحریر میں لاتے، مگر خدا کی مصلحت یہ نہ تھی، اس لیے ان کو اس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے، انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰ کا باپ تھا، ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے، بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے، کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی، وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا، وہ اس کے آگے شب و روز میں کبھی جھکتا بھی تھا، اور آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی، گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو، بھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر حضرت عیسیٰ کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساٹھ تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کنستنس میں تین سو عیسائی علما کی مجلس اس کے فیصلہ کے لیے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابل فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق عباد کی حیثیت کو لیجئے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیین صلعم کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السلام اور بانیان مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں، جو وہ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو

چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا، اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا، دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا، حکومت اور سلطنت کے باگراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نردوان یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا، ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بنے والوں کے لیے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ و بیٹے، بھائی و بہن، اور دوست و احباب کے تعلقات ہیں، بودھ کی سیرت کچھ کارآمد ہو سکتی ہے؟ کیا بودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھشکوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لیے قابل تقلید ہو؟ اسی لیے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کاروباریوں کے لیے قابل تقلید نہ بنی، ورنہ چین و جاپان، سیام کو ایام، تبت و برما کی تمام سلطنتیں، تجارتیں، صنایعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے، اور بھائے آبا و شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے، اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے، سیاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست و احباب کے متعلق ان کا کیا طرزِ عمل تھا، صلح کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا، اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا، بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں

کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اٹھائیں، حضرت موسیٰؑ بھی رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، دوسرے اعزاء اور متعلقین رکھتے تھے، اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرز عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاگ ہوگا، مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے جو ہمارے لئے قابل تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی ماں تھیں، اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھا مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرز عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد رہی ہے، علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ نے محکومی کی زندگی بسر کی۔ اس لیے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے، وہ متاہل نہ تھے، اس لئے ان دو جوڑوں کے لئے جن کے درمیان تورات کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے، حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی، اور چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی متاہل نہ زندگی رکھتی ہے، اس لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر آبادی کے لیے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی، جس نے گھر بار، اہل و عیال، مال و دولت، صلح و جنگ، دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لیے جو انہی تعلقات سے محروم ہے کیونکر مثال ہو سکتا ہے،

اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کرے تو کل وہ سنان قبرستان بن جائے،
تمام ترقیاں دفعہ رک جائیں، اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ
کے لئے بھی زندہ نہ رہے۔

عملیت آئیڈیل لائف، کاسب سے آخری معیار عملیت سے، عملیت
سے یہ مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو،
خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو، اور خود اس کے عمل نے
اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ نظریہ، اور خوش آئند سے خوش
آئند اقوال، ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے، لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت
پیش کر سکتا ہے وہ عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل اس
کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی و فیضانہ نظریے نہیں، بلکہ
اس کے اعمال اور کارنامے ہیں، اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے
اور بے کی تمیز اٹھ جاتے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کی سسکی
رہ جائے، اب مجھے پوچھنے دیجئے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیان
مذہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تولنے کے لئے
آگے بڑھ سکتا ہے؟

تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو
دشمن کو پیار کر، جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے اپنا
بایاں گال بھی پھیر دے، جو تجھ کو ایک میل بے گاسلے جاتے تو اس کے
ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتا بھی دے دے، تو اپنے
تمام مال و اسباب کو خدا کی راہ میں دے دے، تو اپنے بھائی کو شرف

معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں، مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں، بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانوں کا ایک مجموعہ ہیں، جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو، وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے، جس کے پاس خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور یتیموں اور مسکینوں کی مدد کیونکر کر سکتا ہے جو عزیز و اقارب، بیوی بچے نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کیلئے مثال کیونکر بن سکتا ہے، جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت تنگی ہو، وہ اس کا دماغ کیونکر کہہ سکتا ہے جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو اس کی زندگی ہم میں سے غصہ ناک اور غصہ ور لوگوں کے لئے نمونہ کیسے بنے گی۔

غور فرمائیے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی اور ایک ایجابی، مثلاً آپ پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لیے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہو گا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا، یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو آپ کے لئے قابل اعتراض ہو، مگر یہ تو سلبی تعریف ہوتی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گریہوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا، عفو، کرم، سچا، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق کی نصرت کے لیے، جوش، جدوجہد، مجاہدہ، آوازے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری،

غرض تمام وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے، وہ صرف سلب فعل اور عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گے، نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر ان کا مداغہ ہے، اس تقریر سے ظاہر ہو گا کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو آئیڈیل لائف اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جاسکتا، کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو تو صلح و جنگ، فقر و دولت، ازواج و تجرد، تعلقات خداوندی و تعلقات عباد، حاکمیت و مملوئیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت، غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیے، دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے، اس لیے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے کے لیے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لیے عملی مثالوں کی ضرورت ہے، قوی نہیں بلکہ عملی، لیکن یہ کہنا شاعری خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرت محمدی کے سوا کوئی کو دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی،

میں نے آج جو کچھ کہا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، میں یہ کہنا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ آئیڈیل لائف، اور نمونہ تقلید بننے کے لیے جو حیات انسانی منتخب کی جاتے۔ ضرور ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخت، جامعیت، کاملیت اور عملیت، میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں ان کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو ان کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود

ہیں، وہ ان کی خصوصیات سے خالی ہیں، اور ایسا ہونا مصلحت الہی کے مطابق تھا، تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ انبیاء محمد و زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے، اس لیے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمد رسول اللہ ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لیے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل دائمی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ لَا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

(۴۴)

تاریخیت

آئیے اب ان چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرۃ مبارکہ پر نظر ڈالیں، سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے، اس اب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اولاد اس شخص کی جس کا اور فی سلسلہ حضرت کی ذات سے تھا، جس طرح حفاظت

کی ہے، وہ عالم کے لیے مایہ حیرت ہے ان لوگوں کو جو آنحضرت معلّم کے اقوال و افعال اور متعلقاتِ زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث و روایت یا محدثین اور اربابِ سیر کہتے ہیں، جن میں صحابہؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ، اور بعد کے جو تھی صدی، ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایہ روایت تحریری صورت میں آگیا، تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخِ زندگی، اخلاق و عادات کو بھی تحریر میں لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے، اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسماء الرجال ہے، مشہور ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۹۰۲ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے، اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سیکرٹری تھے اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے وادی کی مغازی، دان کریم کی ایڈیٹر شپ میں ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی، اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں حافظ ابن حجر کی اصحاب فی احوال الصحابہ طبع ہوئی، اور جنہوں نے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے "لائف آف محمدؐ" لکھی ہے، اور مخالفانہ لکھی ہے، وہ بھی اصحاب کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۴ء میں لکھتے ہیں:

» کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم ایشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو، صحابہ کرام کی تعداد حیاتِ نبویؐ کے اخیر سالِ حجۃ الوداع

میں تقریباً ایک لاکھ تھی ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام و نشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اس لیے موجود ہیں، کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت معلّم کے احوال و افعال و واقعات میں کچھ نہ کچھ حصّہ دوسروں تک پہنچایا ہے۔ یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے۔ اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے،

اللہ میں آنحضرت معلّم نے وفات پائی، اور تقریباً ۱۰۰ سال تک اکابر صحابہ عالم وجود میں رونق افروز رہے، ۱۰۰ سال تک اصغر صحابہؓ کی جو عہد نبوت میں کم سن تھے، خاصی تعداد موجود تھی، اور صدی کے ختم ہونے تک اس نور نبوت کا تقریباً ہر چراغ گل ہو گیا تھا، ہر شہر میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال

وفات یہ ہیں،			
شمار	اسم گرامی	نام شہر	سال وفات
۱	ابو امامہ باہلیؓ	شام	۱۶ھ
۲	عبداللہ بن حارث بن حبشہؓ	مصر	۱۶ھ
۳	عبداللہ بن ابی اوفیؓ	کوفہ	۱۶ھ
۴	سائب بن یزیدؓ	مدینہ	۱۶ھ
۵	انس بن مالکؓ	بصرہ	۱۶ھ

حضرت انس بن مالکؓ جنہوں نے اس فہرست میں سب

سے آخر جگر باتی ہے ، وہ آنحضرت صلعم کے خادم خاص تھے ،
دس برس تک متصل آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے ہیں ،
وہ سلسلہ میں وفات پاتے ہیں ۔

تابعین یعنی صحابہؓ کے تلامذہ کا دور سلسلہ کے آغاز سے
اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گروہ پیدا ہو چکے تھے ، مگر آنحضرتؐ
کی زیارت سے محروم رہے ، یا بہت بچے تھے اور آنحضرت صلعم
کافیٰ فیض نہ حاصل کر سکے ، چنانچہ عبدالرحمن بن عمارؓ تابعیؓ

تقریباً سلسلہ میں قیس بن ابی حازمؓ سلسلہ میں سعید بن مسیبؓ
سلسلہ میں پیدا ہو چکے تھے ، یہ دکھانے کے لیے کہ صحابہؓ کے بعد
گروہ درگروہ تابعین جو دنیا سے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے
تھے اور رسول اللہ صلعم کے وقائع و حالات اور احکام و فضایا کی
تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے ، ان کی مجموعی تعداد
کیا ہوگی ، میں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے
حوالہ سے بتاتا ہوں ، طبقہ اولیٰ یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں
نے بڑے بڑے صحابہؓ کو دیکھا تھا ، اور ان سے واقعات و
مسائل سنے تھے ، ۱۳۹ ہے ، طبقہ دوم یعنی تابعی جنہوں نے
مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور ان سے سنا ۱۲۹ ہیں ، طبقہ
سوم وہ تابعین جنہوں نے متعدد یا کسی ایک صحابی کو دیکھا
اور ان سے سنا ۸۷ ہیں ، اس طرح تابعین کی کل تعداد ۳۵۵ ہے ،
یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے اسی سے مکہ معظمہ ، طائف ، بصرہ
کوفہ ، دمشق ، یمن ، مصر ، وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ

جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرامؓ کے تلمذ کا شرف رکھتے ہیں اور جن کے شب و روز کا مشغلہ ہی آنحضرت صلیع کے قول و فعل کی اشاعت و تبلیغ تھی، اس اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابیؓ سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا، اور گن لی گئیں، اس سے اندازہ کرو کہ آنحضرت صلیع کے حالات و اقوال کی فراہمی میں کس قدر تبلیغ اہتمام کیا گیا ہے، صحابہ کرامؓ میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں

شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱	حضرت ابو ہریرہؓ	۵۳۷۴	۵۹ھ
۲	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰	۶۱ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰	۵۸ھ
۴	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۳۰	۶۳ھ
۵	حضرت جابر بن عبداللہؓ	۱۵۶۰	۶۸ھ
۶	حضرت انس بن مالکؓ	۱۲۸۶	۹۳ھ
۷	حضرت ابوسعید خدریؓ	۱۱۷۰	۶۴ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبویؐ کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں، ان کی وفات کی تاریخوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ان وفات کے سال اس قدر متاخرین کہ ان سے فیض اٹھانے اور ان کی روایتوں کو حفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد بیشمار

ہوگی، انہی باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھا، اور وہ دینی اور دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھیں، اس لیے ہزاروں صحابہؓ نے جو کچھ دیکھا اور جانا ہے، آنحضرت ﷺ کے حکم بَلِّغُوا عَنِّي: (مجھ سے جو کچھ سنو اور دیکھو اس کی اشاعت کرو) یا فلیبلغ الشاهد الغائب۔ (جو مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اور مجھ سے سن رہے ہیں، وہ ان کو مطلع کر دیں، جو اس سے محروم ہے ہیں)، کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں، دوستوں، اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے کہ یہی ان کی زندگی کا کام ہی ان کے روز و شب کا مشغلہ تھا، اس لیے صحابہؓ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پودہ ان معلومات کی حفاظت کے لیے کھڑی ہو گئی، ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ یاد کرنا پڑتا تھا، ان کو دہراتا پڑتا تھا، اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا، آنحضرت ﷺ نے یہاں اپنے اقوال و افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، وہاں یہ بھی تہدید کر دی تھی کہ ”جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کرے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا“، اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ روایت کرتے وقت کا اپنے لگتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بات نقل کی، تو چہرے کا رنگ بدل گیا، تھرا گئے پھر کہا ”حضور نے ایسا ہی فرمایا تھا“،

عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا، وہ سیکڑوں شعر کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس

وقت سے جس قدر کام لیا جائے اس قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی تھی صحابہؓ اور تابعینؓ نے قوتِ حفظ کو سہراچ کمال تک پہنچایا، وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے، جیسے مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں، ایک ایک محدث کتنی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا، اور یاد رکھتا تھا، اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لئے لکھ بھی لیتے تھے مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہل علم کی نگاہوں میں ان کی عزت نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عجیب طرح چھپاتے تھے تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔

دوستو! بعض اور ٹیکسٹ اسکالرز، اور بعض پڑھے لکھے مشنریوں نے جن میں سب سے آگے سر ولیم مہور اور گولڈزیر ہیں، اس بنا پر کہ روایات نبویؐ کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۹۰ برس بعد شروع ہوا، ان کی صحت اور ذوق میں شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہم نے جس طرح اوپر تفصیل آپ کے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے، کس طرح احتیاط کرتے تھے، کس طرح آنی والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے، اس سے خود اندازہ ہو گا کہ گو روایات تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں تاہم ان کی صحت اور ذوق میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہؓ نے اپنی معلومات کو عموماً تین اسباب سے قید تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔

۱۔ ابتداءً آنحضرت معلم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی چیز کو کتاب کی صورت میں رکھنے کی ممانعت کر دی، اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ لَا تَلْکُتُبُوا عَنی غَیْرَ الْقُرْآنِ، اور یہ اس لیے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی البتاس نہ ہو جائے، چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہو گیا، تو آخر میں خود آنحضرت معلم نے بعض صحابہ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دیدی، اس پر بھی اکثر صحابہ ان کو قید تحریر میں لانے سے انہیں دم تک احتیاط برتتے رہے

۲۔ صحابہؓ کو ڈر تھا کہ وقائع کے تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتناء، توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی، اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب سے ان کے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائیں گے، یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا، چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا۔ سینوں کا علم گھٹا گیا، نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعویٰ کر بیٹھے گا، چنانچہ یہ بھی ہوا

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا لوگ اس کو اپنی کمزوری کا اعلان کہتے تھے، اس لیے کوئی چیز تحریر کر لیتے تو اس کو چھپائے رکھتے تھے۔

محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے، یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا، ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کمی بیشی نہ کر دے مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہو جاتے ہیں ان میں تغیر و تبدل ممکن نہیں

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس میں، اور سب سے پہلے آپ کی مجلس میں اس حقیقت کو آشکار کیا جاتا ہے، کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک واقع اقوال نبوی کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا۔ اس غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبار نبوی کی پہلی کتاب امام مالک کی موطا اور بخاری و مسند میں ابن اسحاق کی کتاب المغازی سمجھی جاتی ہیں یہ دونوں بزرگ محدثین ^{رحمۃ اللہ علیہما} اور ^{رحمۃ اللہ علیہ} اس لیے اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا افاصل سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث و اخبار کی ترتیب و تدوین کا سراغ ملتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ^{رحمۃ اللہ علیہ} میں وفات پائی، جو خود بڑے عالم تھے، مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے، ^{رحمۃ اللہ علیہ} میں خلیفہ ہوئے، انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن محمد عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے بڑے امام تھے، فرمان بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کرو، کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہو رہا ہے۔ یہ واقعہ تعلیقات بخاری، موطا اور مسند دارمی وغیرہ میں مذکور ہے چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی، اور اخبار و احادیث و سنن و فقاہ میں لکھ کر دار الخلافہ میں آئے، اور ان کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھی گئیں، ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لیے اس لیے ہوا کہ وہ خود امام تھے مدینہ العلم مدینہ منورہ میں قاضی وقت تھے، لیکن اس کے علاوہ اس لیے بھی یہ انتخاب سوزون تھا، کہ ان کی خالہ عمرہ، حضرت عائشہ کی سب سے بڑی شاگرد تھیں، اور ان کی روایتیں جو حضرت عائشہ سے تھیں ان کا سرمایہ ابوبکر بن حزم کے پاس پہلے سے

جمع تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو خاص عمرہ کی رولتوں کی تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ | آگے بڑھ کر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ خود عہد نبوی ہی میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا، فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے ایک خطبہ دیا تھا، صحیح بخاری میں ہے، کہ ابو شاہ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپ نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالہ کرنے کا حکم دیا (باب کتابت العلم، آنحضرت صلعم نے سلاطین عالم کے نام جو خطوط روانہ کیے وہ لکھے ہوئے تھے دس پندرہ برس ہوئے کہ مصر میں آپ کا وہ خط جو متوقس شاہ مصر کے نام آپ نے بھیجا تھا، ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب کی جلد میں لگا ہوا ملا ہے، گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بعینہ وہی نام ہے جو آپ نے لکھوایا تھا، اس کے نوٹو عام طور سے ملتے ہیں، یہ پرانے عربی خط میں ہے، اور اس کی بعینہ وہی عبارت ہے، اور شہر میں نام کے وہی الفاظ اور صورت تحریر ہے۔ جس طرح حدیثوں میں بیان آیا ہے، یہ اسلامی روایات کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے، جو ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص کے سوا مجھ زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں، مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلعم سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جلتے تھے، اور میں لکھتا تھا وہ بخاری باب کتابت العلم، ابو داؤد اور سند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبد اللہ بن عمرو سے کہا کہ آنحضرت صلعم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی

خوش رہتے ہیں اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو، عبداللہ بن عمروؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے وہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ”تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے“ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷)، عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے اس مجموعہ کا ۲۴۴ صادقہ رکھا تھا، (ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے، جن میں ایک یہ صادقہ ہے، اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا ہے، (دارمی ۶۹) مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمروؓ صحابی کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی، دریافت کیا کہ یہ کیسا ہے؟ فرمایا یہ صادقہ ہے، جس کو میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا، جس میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے، (ابن سعد ۲-۲-۱۲۵)

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے مدینہ آنے کے کچھ مدت بعد مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوتے، (باب الجہاد) زکوٰۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس زکوٰۃ کی مختلف شرعیں جو پورے دو صنفوں میں ہیں، ان کو لکھوا کر آنحضرت ﷺ نے امراء کو بھیجا تھا، اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ابوبکر بن عمر بن حزم کے خاندان میں، اور متعدد اشخاص کے پاس موجود تھیں (دارقطنی کتاب الزکوٰۃ ۲۰۹) زکوٰۃ کے محصلین کے پاس دیگر تحریری ہدایتیں بھی موجود تھیں (دارقطنی ۲۰۴) حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا، جو ان کی سوار کی پیام میں بڑا رہتا تھا، اس میں متعدد حدیثیں متعلقہ احکام طہینہ

تھیں اور انہوں نے اس کو لوگوں کی درخواست پر دکھایا دینخاری ۲ صفحہ ۱۰۸۲ و ۱۰۸۳ حدیبیہ میں جو صلح نامہ آنحضرت صلعم اور کفار قریش کے درمیان حضرت علیؑ نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لے لی، اور ایک آنحضرت صلعم نے اپنے پاس رکھی، داہن سعد مغازی ص ۱۷، عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلعم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی باتیں تھیں، کنز العمال ۲ صفحہ ۱۸۶ عبداللہ بن الحکیم کے پاس رسول اللہ صلعم کا نامہ پہنچایا جس میں مردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا، مجموعہ صغیر طبرانی صفحہ ۲۱۷، دائل بن حجر صحابی جب بارگاہ نبوی سے اپنے وطن حضرموت جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوا کر دیا جس میں نماز، روزہ، ربو، شراب اور دیگر احکام تھے، طبرانی صغیر صفحہ ۲۲۲

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے جمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ صخاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا، مجھے معلوم ہے، آنحضرت صلعم نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا، (دارقطنی ۲ صفحہ ۲۸۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد خلافت (۹۹-۱۰۱ھ) میں آنحضرت صلعم کے فرمان متعلق صدقات کی تلاش کے لئے اہل مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آل عمرو بن حزم کے ہاں مل گیا (دارقطنی ۲۵۱) آپ نے اہل یمن کو جو احکام لکھوا کر بھیجوائے تھے، ان میں یہ سکتے تھے قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھوا جاتے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد

نہیں کیا جاسکتا، اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں (دارمی صفحہ ۲۹۳)
 حضرت معاویہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا
 کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ نے تحسیدی جواب دیا کہ سبزیوں
 پر زکوٰۃ نہیں (دارقطنی صفحہ ۲۵) سرعان نے خطبہ میں بیان کیا کہ مکہ
 حرم ہے، رافع بن خدیج صحابیؓ نے پکار کر کہا: اور مدینہ بھی حرم ہے،
 اور یہ حکم بھی میرے پاس لکھا ہوا ہے، اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ
 کر سناؤں، (ابن حنبل ج ۴ ص ۱۴۱) صناک بن قیس نے نعمان بن بشیرؓ
 صحابیؓ کو لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ کے سوا اور کوئی
 سورۃ پڑھتے تھے، انہوں نے جواب لکھا کہ هَلْ اَتَلَيْ (مسلم ۳۲۳)
 حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقہ کو خط لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر پہننے سے
 منع فرمایا ہے (مسلم ۲ - ۳۰۷)۔

یہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں کو لکھوا
 کر دیئے، یا بھجوائے، ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں، جن سے
 ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں
 لکھتے یا لانا چاہا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانہ خلافت
 میں مرتب کیا، پھر اس کو پسند نہ کیا، اور مٹا دیا، (تذکرہ الحفاظ) حضرت
 عمرؓ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانہ خلافت میں غور کیا، اور بہت
 کچھ سوچتے رہے، مگر پھر بہت نہ کی، ابھی آپؐ سُن چکے ہیں، کہ حضرت
 عبداللہ بن عمروؓ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا،
 جس میں آپؐ کے موقوفات تھے، مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے
 تھے، اور وہ اس کو دکھاتے تھے، (ترمذی ۵۸۶) حضرت علیؓ کے

فتادی کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں لایا گیا
 (اسلم مقدم) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں کہ مختلف تحریری
 مجموعے تھے، اہل طائف میں سے کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھ
 کر سنائے کے لیے لائے (کتاب العلل ترمذی صفحہ ۶۹۱) سعید بن
 جبیر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبداللہ بن عمروؓ
 کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمر بن شعیب کے پاس موجود تھا،
 (ترمذی ۱۱۳ و ۶۱) اور یہ بیچا رہے اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے
 کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے ہیں، خود حافظ نہیں
 ہیں (تہذیب ۱-۴۹) حضرت جابر بن عبداللہ کی روایتوں کا مجموعہ
 وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمعیل بن عبداللہؓ کے پاس تھا اور
 وہ اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے (تہذیب ج ۱ ص ۳۱۶)
 حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری
 نے تیار کیا تھا، اور ابو الزبیر، ابوسفیان اور شعبی نے جو ائمہ حدیث
 میں ہیں، اور تابعی ہیں، حضرت جابرؓ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا،
 (تہذیب ج ۶ ص ۲۱۱) عمر بن حنبلؓ صحابیؓ سے ان کے بیٹے سلیمان
 روایتوں کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں، اور ان سے ان کے بیٹے شعیب
 (تہذیب التہذیب ۱۹۸) حضرت ابو ہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہؓ میں
 کو لکھا فقط حدیث نہ تھا، ان کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار
 کیا تھا جو صحیفہ ہمام کے نام سے احادیث میں مشہور ہے، اس کو
 امام ابن حنبلؓ نے مسند جلد ۲ میں صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل
 کیا ہے، بشیر ابن ہبیک نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ان کی روایتوں کا

مجموعہ لکھا، اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت کی، (کتاب
العلل ترمذی ۴۹۱، دارمی ۴۸) حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ ایک صاحب
کو اپنے مستقر بہ بلا کر لائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات
ہیں، راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ
کے لکھے ہوئے تھے، (فتح الباری جلد ۱۲، ۱۸۴، ۱۸۵)۔

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں،
وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ میرے بچوں غم کو تحریر کی قید
بند میں لاؤ، (دارمی ۶۸) ابان ان کے شاگردان کے سامنے بیٹھ
کر ان کی روایتیں قید تحریر میں لایا کرتے تھے (دارمی ۶۸) سلمیٰ ایک
خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ
ابو رافع آنحضرت ﷺ کے غلام سے آنحضرت ﷺ کے کار نامے لکھا کرتے
تھے (ابن سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۲۲) واقدی سیرت نبویؐ کے ابتدائی مصنفین
میں سے ایک سے بیان کرتا ہے کہ سندربن سادی رئیس عمان کے نام
آنحضرت ﷺ نے جو خط بھیجا تھا، وہ ابن عباسؓ کی کتابوں کے ساتھ میں
نے دیکھا (نادا المعاد ۲ - ۵۷) غزوہ بدر کا مفصل حال غزوہ بن زبیر
نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا، (طبری ۱۲۸۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے

اور ان کو آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا اذن عام تھا، ان کو
شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سن جاتے ہیں، اور پھر اس کو
جا کر لکھ لیتے ہیں، اور میں قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال

نہیں جانتا (دارمی ۶۷) سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے رات کو روایتیں سنتا تھا، تو پالان پر لگتا تھا، صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا، (دارمی ۶۹) براء بن عازب صحابی کے پاس لوگ بیٹھ کر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے (دارمی ۶۹) تابع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ۳۰ برس رہے تھے، وہ اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادہ عبدالرحمان ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (جامع ۱۷) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے، ان سے پوچھتے تھے، اگر ان کو اس کا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے ان کے درمیان فیصلہ ہی تھا (جامع ۳۳) اسود تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا، اس کو لے کر ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے، تو انہوں نے مٹا دیا (جامع ۳۳) حضرت زید بن ثابت کاتب وحی تھے، ان کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا، تو مردان نے یہ تدبیر کی کہ ان کو سامنے بٹھایا اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کیے کہ وہ جو بولتے جائیں، یہ لکھتے جائیں (جامع ۳۳) حضرت معاویہؓ نے بھی ان کی ایک حدیث اسی طرح لکھوائی تھی، لیکن وہ مٹا دیے اور زبردستی مٹوادی (احمد ۵ ص ۱۸۲)۔

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سنتے

سننے گھبرا گئے ہوں، لیکن اطمینان رکھئے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آ رہا ہے، میں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ تحریری سرمایہ ہی اگر دنیا میں قابلِ وثوق ہو سکتا ہے، تو خود عہدِ نبوی میں صحابہؓ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو جمع کیا، اور پچھلوں کے لیے یادگار چھوڑا، اور پچھلوں نے اس کو اپنی کتابوں میں داخل کر لیا، اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہؓ ہی کن زندگی میں تابعین نے ان کے تمام روایات واقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر ایک ایک کے دواڑہ پر جا کر بوٹے، جوان، عورت، مرد سب سے تحقیق کر کے ہمارے لیے فراہم کر دیا تھا، محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد، وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں۔ جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا، شہاب زہری نے جو حدیث و سیرت کے بڑے امام تھے، آنحضرت ﷺ کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابوالزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال و حرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (جامع ۳۷) ابنِ کيسان کہتے ہیں کہ میں اور زہری طلبِ علم میں ساتھ تھے میں نے کہا کہ میں سننے لکھوں گا چنانچہ جو کچھ آنحضرت ﷺ سے متعلق تھا، سب لکھا، زہری نے کہا صحابہؓ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھو کہ وہ بھی سنت ہے میں نے کہا وہ سنت نہیں، چنانچہ میں نے نہیں لکھا، انہوں

نے لکھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوئے اور میں برباد ہو گیا بلکہ اس
سعد ۲ قسم ۲- صفحہ ۱۳۵) ان امور کو قید تحریروں میں لانے والے
سیکٹروں تا بھی تھے جن میں سے ایک امام زہری ہیں، صرف ان
کی تحریروں کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری
کے یہ دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانہ سے لائے گئے تھے

امام زہری رحمہ اللہ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۷ھ میں وفات
پائی، وہ نسباً قرشی تھے، انہوں نے جس محنت، کاوش اور استقصا سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اقوال جمع کیے اس کا اندازہ مورخین
کے اس بیان سے کرو، کہ ”وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری
کے گھر جاتے، جوان، بٹھے، عورت، مرد جو مل جاتا یاں تک کہ
پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور حالات
بوچتے اور قلمبند کرتے (تہذیب ترجمہ زہری) اس زمانہ میں بکثرت
صحابہ زندہ تھے، زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے
اور یہ کل کے کل روز و شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور
حوال کی جمع و ترتیب، تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت میں
مشغول تھے، یہی ان کی زندگی کا کام تھا، اس کے سوا دنیا کے
ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے۔

غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث
دستبر کی تدوین و تحریر کا کام تابعین نے شروع کیا، اور تابعین
ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، اور صحابہ
کا زمانہ تقریباً سو برس تک رہا تو گویا تابعین کا عہد تسو برس کے بعد

شروع ہوا، اور اس طرح گویا تہذیب و تمدن کے سلسلہ کا آغاز سنوئیس کے بعد ہوا۔ حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے، تابعین ان کو کہتے ہیں، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا، اور صحابہ کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوتے، عام اس سے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوں، مگر زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبوی کے آخر میں پیدا ہوتے، اس لئے آپ سے فیضیاب نہ ہوتے، یا آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ کے بعد پیدا ہوتے وہ سب تابعین داخل ہیں، اس طرح دیکھتے تو معلوم ہو گا کہ تابعین کا عہد خود آپ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ اللہ سے شروع ہو گیا تھا، اس لئے اللہ سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کا آغاز کیا، تابعین کا کارنامہ ہونے کے لئے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رحلت ہو جانے کی ضرورت نہیں، اور نہ سو برس گزارنے کا زمانہ کی حاجت ہے، وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے، جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے، کیونکہ صحابہ کے وجود کا خاتمہ ہو گیا، جن کے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے، الغرض اس تفصیل سے ثابت ہو گا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکا ہے کہ مسلمانوں میں اخبار و سیر کی ترتیب کا کام مسند کے بعد شروع ہوا،۔

مسلمانوں میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کی ترتیب اور تہذیب کے درحقیقت تین دور ہیں، اول جب ہر شخص نے صرف اپنی ذاتی معلومات کو یکجا کیا، دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کے

معلومات ایک جگہ فراہم کئے گئے، تیسرا دور وہ تھا جب تمام دنیا سے اسلام کے معلومات اکٹھا کیے گئے، اور ان موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا۔ پہلا دور غالباً ستلہ تک قائم رہا، دوسرا دور ستلہ تک رہا، اور تیسرا دور ستلہ سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد قائم رہا، پہلا دور صحابہؓ اور اکابر تابعین کا تھا، دوسرا دور تبع تابعین کا، اور تیسرا دور ابابک بخاریؓ، امام مسلمؒ۔

امام ترمذیؒ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا تھا، پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا ہے، اور دوسرے تیسرے دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے، اور دنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی اور ذخیرہ نہیں۔

حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بقول اس قسم کی زبانی رعایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کیے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان کی افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں، جو قرآن اور قیاس کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے زمانہ کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

”لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے،

اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کیے جائیں، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آتے، کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کے چال چلن کیا تھا؟ سب کچھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سلمیٰ الذہن تھے، یا حکمت رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا، لیکن سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے، انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں؟

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا، اصول تقیید اور روایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیونکر اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح یا تغلیط کی جاسکتی ہے راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ درمندی اور حق گوئی سے کام لیا کہ واقعات آج اسلام کے مفاخرہ میں ہیں، راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور املا بھی تھے جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوتی تھی، مگر مدینہ نے ہڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی، اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ

میں ان کو مل سکتا تھا، امام وکیع خود بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟ مسعودی ایک محدث ہیں مسطورہ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریر میں یادداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی، یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں، کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار روپیہ سے زیادہ ہے، صرف اس معاوضہ میں پیش کرنے چاہئے کہ وہ ایک شخص کو معتبر عدل اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرافیوں کے اس قویٰ کو حقارت سے سانس ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ ”میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا“ کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط اور اس سے زیادہ دیانتداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام کچھ پکا، صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف، قابل قبول اور ناقابل قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے منہ موجود ہے اور آج بھی انہی اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جاسکتی ہے اور کھربے کھوٹے کو الگ کیا جاسکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بڑا وقت

لیا، آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بڑی حد تک آپ کے سامنے آگیا ہوگا، اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، کہ آنحضرت صلعم کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا اس کے کیا ماخذ قرار پاتے اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا، سیرت مبارکہ سب سے اہم، سب سے مستند، سب سے زیادہ صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے، جس کی صحت اور معنوی میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے، آنحضرت صلعم کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبل نبوت کی زندگی، یتیمی، غربت، تلاش حق، نبوت وحی، اعلان و تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، وقائع، اخلاق، سب اس میں موجود ہیں، اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں، جن میں صحیح الگ، کمزور الگ اور جعلی الگ ہیں، صحاح ستہ کا سرمایہ ہے جس کا ایک ایک واقعہ تو لا اور پرکھا ہوا ہے، مسانید ہیں، جن میں سب سے ضخیم امام ابن حنبل کا مسند ہے جو چھ جلدوں میں ہے، اور ان میں سے ہر جلد کی ضخامت ستر کے بڑے باریک صفحوں کے ٹاپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کم نہ ہوگی، اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں، ان مجموعوں میں آنحضرت صلعم کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلتے ہیں۔

۳۔ تیسرا ماخذ معاذی ہیں، یعنی وہ کتابیں جن میں زیادہ تر آنحضرت صلعم کے صرف غزوات اور لڑائیوں کا حال، اور مناسبات اور واقعات

بھی موجود ہیں، ان میں مغازی غرودہ بن زبیر، المتوفی ۱۹۹ھ،
مغازی زہری المتوفی ۱۲۴ھ، مغازی موسیٰ، ابن عقبہ المتوفی ۱۳۵ھ،
مغازی ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ، مغازی زیاد بکافی المتوفی ۱۶۳ھ،
مغازی، واقعی المتوفی ۱۷۲ھ وغیرہ قدیم ہیں۔

۴۔ چھوٹا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں جن کا پہلا حصہ
 خاص آنحضرت صلعم کے سوانح پر ہے، ان میں سب سے زیادہ معتبر
 اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک امام ابو جعفر
 طبری، تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری، تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن
 ابی خثیر بغدادی المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت صلعم کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ
 دفتر ہے، جن کو کتب دلائل کہتے ہیں، مثلاً دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی
۲۶۶ھ، دلائل النبوت ابو اسحاق حربی المتوفی ۲۵۵ھ، دلائل امام بیہقی
المتوفی ۴۳۳ھ دلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۳ھ، دلائل مستغفری المتوفی
۴۳۲ھ، دلائل ابو القاسم اسمعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ، اور
 سب سے زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں امام سیوطی کی
 خصائص کبریٰ ہے۔

۶۔ پانچواں ماخذ کتب شمائل ہیں، یعنی وہ کتابیں جو
 آنحضرت صلعم کے صرف اخلاق و عادات اور فضائل و معمولات
 زندگی پر لکھی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب
 امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کی کتاب الشمائل ہے جس کی بڑے بڑے علما

نئے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں، اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی کتاب
اشغافی حقوق المصطلح قاضی عیاض کی اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب
خجائی کی ہے۔ اسی فن کی دوسری کتابیں شمس الملک ابنی ابو العباس مستغفری
رحمہ اللہ اور شمس الملک النور الساطع ابن المقرئ غرناطی المتوفی ۷۵۲ھ اور
سفر السعاده مجدالدین فیروز آبادی المتوفی ۸۱۱ھ کی ہیں۔

۷۔ اس سے الگ وہ کتابیں ہیں، جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ
کے حالات میں ہیں جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ
انہی حضرات صلعم کے مقامی حالات اور ان مقامات کے نام و نشان ہیں
جن کو ان حضرات صلعم سے کوئی تعلق ہے۔ اس قسم کی کتابوں میں سب سے
قدیم اخبار کہ لازرقی المتوفی ۲۲۳ھ اخبار مدینہ عمر بن شہب المتوفی
۳۶۲ھ، اخبار کہ قاکہ، اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں

حضرات! میں نے سیرت مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو
نقشہ آپ کے سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے، اس سے
موافق و مخالف ہر ایک کو اندازہ ہو سکتا ہے، کہ سیرت محمدی کی
تاریخی حیثیت کیا ہے، صرف اس زبانی حفظ اور تحریر ہی یادداشت

ہی پر محدثین سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی، بلکہ اس فن
کے بڑے بڑے اماموں کے لئے سغازی کی تعلیم کی غرض سے
درس گاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کیے، حضرت قتادہؓ انصاری
صحابی تھے، ان کے پوتے عاصم بن عمر جو سغازی کے امام تھے ادرہیں
نے ۲۱۱ھ میں وفات پائی ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؓ کے حکم سے
پایہ تخت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر اس کا درس دیتے تھے

(تہذیب) غرض آنحضرت صلعم کے عہد مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں، ہر ملک میں، ہر زبان میں آپ کے واقعات، حالات اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان کا اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہوگا، اردو کا تحریری ذخیرہ سو دوسو برس سے زیادہ کا نہیں، اس میں بھی محسوس تصنیف کا عہد ۱۸۵۷ء کے پس و پیش سے شروع ہوتا ہے، تاہم اس وقت تک کئی سو چھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کو چھوڑو کہ ان کا تو دین و ایمان ہی اس سرکار کی عقیدت و غلامی ہے، دشمنوں کے کیمپ میں آؤ، ہندوستان میں ہندوؤں نے سکھوں نے عیسائیوں نے، برہمن سماجیوں نے آپ کی سیرتیں لکھی ہیں، یورپ جس کا سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کے ساتھ عقیدت نہیں، وہاں بھی مشنری کی خدمت کے لئے یا علمی فوق یا یاریخ عالم کی تکمیل کے لئے لائف آف محمدؐ پر کتابیں لکھی گئیں، آج سے غالباً ۱۴-۱۷ برس پہلے دمشق کے ایک علی رسالہ المقتبس میں شمد چھپا تھا، کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں بغیر اسلام کے متعلق ۱۳ سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اس کے بعد اس عہد کی اردو کتابوں کو ملاؤ تو یہ شمار کہاں تک پہنچے گا، انگریزی زبان کے پروفیسر مارک گولیس جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں، کی کتاب محمدؐ سے جو ۱۹۰۵ء میں ہیروز آف دی نیشنس کے سلسلہ میں چھپی ہے زیادہ نہ بہلی کوئی کتاب سیرت نبوی پر

انگریزی میں نہیں لکھی گئی، اس میں اس شخص نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بلاٹ کر دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے، تاہم وہ اپنے مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

محمد کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے۔

جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۷ء میں انگریزی میں
سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب پالوجی فار محمد اینڈ وی قرآن
لکھی ہے، اس کتاب کو وہ الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام یقین اور فائقوں میں ایک ہی
ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمد کے وقائع عمری سے زیادہ
تر مفصل اور سچے ہوں۔

ریورنڈ باسور تھامس فیلو آف ٹرنٹی کالج اوکسفورڈ نے
۱۸۷۷ء میں "محمد اینڈ محمد نزم" کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ
برٹین میں جو لکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں،
اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے:-

جو کچھ عام طور سے مذہب کی ابتدا معلوم ہوتے کی،
نسبت صحیح ہے وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں
اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے، جن کو ہم
کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب تاریخی کہتے

ہیں ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم، اور ان کی نسبت جنھوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں، ہم زرتشت اور کنو شس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں، موسیٰ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروس اور سینر کے متعلق جانتے ہیں ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں، ان تیرہ سوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے، جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زبردہ کیا ہے اور شاید اور بہت زیادہ کرے ایک آئیڈیل لائف جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے، جو ہم جانتے ہی نہیں ہم مسیح کی خانگی زندگی انکی ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی، یا ایک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے، لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلپن

اور راز نہیں ہے ، ہم تاریخ رکھتے ہیں ، ہم
 محمد کے متعلق اس قدر جانتے ہیں ، جس قدر یسوع
 اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں ، میتھولوجی ، فرضی افسانے
 اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں
 نہیں ، یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات
 الگ کیے جاسکتے ہیں کوئی شخص یہاں نہ خود کو
 دھوکا دے سکتا ہے ، اور نہ دوسرے کو ، یہاں
 پورے دن کی روشنی ہے ، جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے
 اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے

(ص ۱۲ - ۱۵ ۱۸۸۹ء)

آنحضرت صلعم کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے لاکھوں
 کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں ، اور ان میں سے ہر ایک
 کتاب دوسرے انبیاء کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف
 زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے سیرت و اخبار نبوی کی ابتدائی
 کتابیں ، ہر مصنف سے سیکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سن کر
 اور پڑھ کر اور انکا ہر ایک حرف سمجھ کر دوسروں تک پہنچائیں
 حدیث کی پہلی کتاب موطا کو اس کے مصنف امام مالکؒ سے
 4۰۰ آدمیوں نے سنا جن میں سلاطین زمانہ علماء ، فقہاء ، حکماء
 اولیاء ، اور صوفیہ ہر طبقہ کے آدمی تھے ، امام بخاری کی تصنیف جامع
 صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد دقبربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں
 نے سنا اس احتیاط ، اس استناد ، اور اس اہتمام سے بتاؤ کس

شارع یا بانی دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہوا، اور
یہ تاریخیت محمد صلی اللہ رسول صلعم کے سوا اور کس کے حصہ میں
آئی اللہم صل علیہ وسلم

کا ملیت

دوستو! آج کی گفتگو کا موضوع کالمیت ہے کوئی زندگی خواہ
کسی قدر تادنی ہو، جب تک وہ کامل نہ ہو، ہمارے لیے نمونہ
نہیں بن سکتی، کسی زندگی کا کامل اور ہر نقص سے بری ہونا،
اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا، جب تک اس زندگی کے
تمام اجزاء ہمارے سامنے نہ ہوں، یہ خیبر اسلام کی زندگی کا
ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں
کے سامنے، اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے
ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا،
جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی
تیاری میں مصروف ہوں۔

پیدائش، شیوہ خواری، بچپن، ہوش و تیز جوانی، تجارت،
آمدورفت، شادی، احباب قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش
کے معاہدے میں شرکت، امین بننا، خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا
رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام
کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت
غزوات، حدیبیہ کی صلح، دعوت اسلام کے ناتمہ پیام، اسلام کی

اشاعت، تکمیل دینی، حجت الوداع، وفات، ان میں سے کوئی سازمان
 ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں، اور آپ کی کوئی حالت
 ہے، جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں، کچھ جھوٹ، صحیح غلط ہر چیز
 الگ الگ موجود ہے، اور اس کو ہر شخص جان سکتا ہے،
 کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع اور ضعیف
 روایتوں تک کو کیوں محفوظ رکھا، مگر خیال آیا کہ اس میں
 صحت الہی یہ تھی کہ معترضوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ان
 لوگوں نے اپنے پیغمبر کی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے بہت
 سی روایتوں کو غائب کر دیا، جیسا کہ آج عیسائی لٹریچر پر
 اعتراض کیا جاتا ہے، اسی لئے ہمارے محدثین کرام نے،
 اپنے پیغمبر کے متعلق صحیح و غلط سارا مواد سب کے سامنے لا کر
 رکھ دیا ہے، اور ان دونوں کے درمیان تفرقہ بتا دیتے ہیں،
 اور اصول مقرر کر دیتے ہیں

اٹھنا بیٹھنا، سوتا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست
 احباب، نماز روزہ، دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و
 رفت، سفر و حضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، نمنا رونا، پہننا اوڑھنا،
 چلنا پھرتا، منسی مذاق، بولنا چلنا، خلوت جلوت، ملنا جلنا، طور
 و طریق، رنگ و بو، خط و خال، قد و قامت، یہاں تک کہ میاں بیوی
 کے خانگی تعلقات اور ہمجواری و طہارت کے ذائقات ہر چیز پوری
 روشنی میں مذکور، معلوم، اور محفوظ ہے، میں یہاں پر آپ کو

شمال نبوی کی صرف ایک قدیم ترین کتاب شمالی ترمذی کے الجواب پڑھ کر سنا ہوں، جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے جزئی جزئی واقعات بھی کس طرح قلبتہ کئے گئے ہیں :-

۱۔ آنحضرت صلعم کے حلیہ اور صورتِ شکل کے بیان میں۔

۲۔ آنحضرتؐ کے بالوں کے بیان میں

۳۔ آنحضرتؐ کے پکے ہوئے بالوں کے بیان میں

۴۔ کنگھی کے بیان میں ۱۹۔ آنحضرتؐ کی نشست کے بیان میں

۵۔ حضاب " " ۲۰۔ تکیہ و بستر " "

۶۔ آنحضرتؐ کے سرمہ لگانے ۲۱۔ تکیہ لگانے " "

کے بیان میں - ۲۲۔ کھانے " "

۷۔ آنحضرتؐ کے لباس کے بیان میں ۲۳۔ روٹی " "

۸۔ زندگی بسر کرنے " " ۲۴۔ آنحضرتؐ کے گوشت اور

۹۔ آنحضرتؐ کے موزوں " " سالن کے بیان میں :-

۱۰۔ " " پاپوش " " ۲۵۔ آنحضرتؐ کے وضو کرنے " "

۱۱۔ " خاتم انگوٹھی " " ۲۶۔ کے کھانے کے پہلے

۱۲۔ " تلوا " " اور پیچھے دسا پڑھنے

۱۳۔ " زرہ " " کے بیان میں

۱۴۔ " صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۷۔ " پیالہ " "

خود کے بیان میں - ۲۸۔ " " میوہ " "

۱۵۔ آنحضرتؐ کے ہمارے " " ۲۹۔ " کیا کیا پیتے تھے " "

- ۱۶۔ ” پانچواں ” ۳۰۔ ” کیسے پیتے تھے ”
- ۱۷۔ ” کی رفتار ” ۳۱۔ ” خوشبو لگانے ”
- ۱۸۔ ” نہ پر کپڑا ڈالنے ” ۳۲۔ ” کے باتیں کرنے ”
- ۳۳۔ ” شعر پڑھنے ” ۴۲۔ ” بستر ”
- ۳۴۔ ” بات کو باتیں کرنے ” ۴۵۔ ” تواضع کے ”
- ۳۵۔ آنحضرت کے سونے کے بیان میں ۴۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بیان میں
- ۳۶۔ ” عبادت ” ۴۷۔ ” آنحضرت کے عبادت ”
- ۳۷۔ ” خذہ و تبسم ” ۴۸۔ ” آنحضرت کے عبادت ”
- ۳۸۔ ” مزاج ” ۴۹۔ ” بیان میں ”
- ۳۹۔ ” چاشت کی نماز ” ۵۰۔ ” آنحضرت کے اساتذہ گرامی ”
- ۴۰۔ ” کے گھر میں نقل پڑھنے ” ۵۱۔ ” کی زندگی کی صورت میں ”
- ۴۱۔ ” کے بیان میں ” ۵۲۔ ” سن و سال و عمر ”
- ۴۲۔ ” کے روزہ ” ۵۳۔ ” کے بیان میں ”
- ۴۳۔ ” قرآن پڑھنے ” ۵۴۔ ” آنحضرت کی وفات کے بارے میں ”
- ۴۴۔ ” گریہ و بکا ” ۵۵۔ ” میراث ستروکہ ”
- یہ آپ کے تمام ذاتی حالات ہیں، ان میں سے ہر ایک عنوان کے متعلق کہیں چند کہیں بکثرت واقعات ہیں، اور ان میں سے ہر پہلو صاف اور روشن ہے آنحضرت کی زندگی کا کوئی لمحہ چھوڑا نہیں تھا، اندر آپ بیویوں اور بال بچوں کے مجمع میں ہوتے تھے، باہر مسقندوں اور دوستوں کی محفل میں،

دوستو! بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی آدمی
 ہوتا ہے، اسی لئے والیٹر کے مشہور فقرہ کے مطابق کوئی شخص اپنے
 گھر میں ہیرو نہیں ہو سکتا۔ باسور تھ اسستھ کی رائے میں کم از کم
 یہ اصول پیغمبر اسلام کے متعلق صحیح نہیں، گھبن نے لکھا ہے کہ تمام
 پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیروؤں کا اس قدر سخت امتحان
 نہیں لیا، جس قدر محمدؐ نے، انہوں نے دفعۃً اپنے کو سب سے پہلے
 ان لوگوں کے سامنے بحیثیت پیغمبر کے پیش کیا، جو ان کو بحیثیت انسان
 کے بہت اچھی طرح جانتے تھے، اپنی بیوی، اپنے غلام، اپنے بھائی
 اپنے سب سے واقفکار دوست کے سامنے اور ان سب نے بلا پس
 و پیش آپ کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔ "بیوی سے بڑھ
 کر انسان کی اہمکنی کمزوریوں کا واقفکار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا
 مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت پر سب سے
 پہلے آپ ہی کی بیوی ایمان لائیں، وہ نبوت سے پہلے پندرہ برس
 تک آپ کی رفاقت میں رہ چکی تھیں، اور آپ کے ہر حال اور ہر
 کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں، باایں ہمہ جب آنحضرت
 صلعم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے انہی نے اس
 دعویٰ کی سچائی کو تسلیم کیا،

بڑے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ بہت
 نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو یہ اذن عطا دے دے کہ تم میری ہر
 بات پر حالت اور ہر واقعہ کو بر ملا کہہ دو اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب
 پر ظاہر کر دو، مگر آنحضرت صلعم کی بیک وقت نوبویاں تھیں، اور

ان میں سے نہر ایک کو یہ اذین تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو، وہ جلوت میں سب کو بر ملا بیان کر دو، جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو جو بند کوٹھڑیوں میں دیکھو اس کو کھلی چیتوں پر پکار کر کہہ دو، اس اخلاقی وثوق اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

یہ تو آنحضرت صلعم کے ذاتی احوال کے متعلق تھا، آپ کے اخلاقی طاہرہ، اوصاف عالیہ، اور آداب فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمویہ ہیں خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب الشفا اس پہلو سے بہترین کتاب ہے، ایک یورپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام کے اصلی محاسن سے واقف کئے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفا کا کسی یورپین زبان میں ترجمہ کر دیا جائے۔ سیرۃ نبویؐ کی دوسری جلد میں ہم نے شمائل کے تحت میں یہ ابواب قائم کیے ہیں۔

علیہ: قدس، مہر نبوت، سوتے مبارک، رفتار، گفتار، خندہ و تبسم، لباس، انگوٹھی، خود و زرہ، غذا اور طریقہ طعام۔ معمولات طعام، خوش لباسی، مرغوب رنگ، نامرغوب رنگ، خوشبو کا استعمال، لطافت پندری، سواری کا شوق۔

معمولات کے ماتحت حسب ذیل عنوانات ہیں۔

صبح سے لے کر شام تک معمولات، خواب، عبادت شبانہ، معمولات نماز، معمولات خطبہ، معمولات سفر، معمولات جہاد، معمولات عیادت و عزرا، معمولات ملاقات، عام معمولات،

مجلس نبویؐ کے تحت عنوانات :-

در بار نبوت، مجالس ارشاد، آداب مجلس، اوقات مجلس، جوتوں کے لیے مخصوص مجالس، طریقہ ارشاد، مجالس میں شگفتگی، فیض صحبت طرز بیان، خطبات کی نوعیت، خطبات نبویؐ کی تاثیر :-

عبادات کے ماتحت عنوانات :-

دعا اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، ہمیشہ یاد الہی، خدا کا ذوق و شوق، میدان، جنگ میں یاد الہی، خشیت الہی، گریہ و بکا، محبت الہی، خدا پر توکل، صبر و شکر :-

اخلاق نبویؐ کی تفصیلی جزئیات :-

اخلاق نبویؐ کا جامع بیان، استقامت عمل، حسن خلق، حسن معاملہ، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار، مہمان نوازی، گداگری کی نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفے قبول کرنا، کسی کا احسان نہ قبول کرنا، عدم تشدد، نقشت ناپسند تھا، عیب جوئی اور ملاحی کی ناپسندیدگی - سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بیجا تعظیم، شرم و حیا، اپنے ہاتھ سے کام کرنا

عزم و استقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زبردقناعت، غفور و حلم، دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسنی و سلوک، کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ، یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت، دشمنانِ جانی سے عفو و درگزر، دشمنوں کے حق میں دہائے خیر، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ حیوانات پر رحم، رحمت و محبت عام، رفیقِ اقلی، عیادت و تعزیت، لطفِ طبع، اولاد

سے محبت، ازواج مطہرات کیساتھ سلوک،

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں سب سے زیادہ آپ کے حالات کا استقصا کر کیا ہے چنانچہ صرف ذاتی حالات کی فہرست سنئے
 آپ کا طریقہ رسل و رسائل، آپ کے کھانے پینے کا طریقہ،
 آپ کے نکل اور ازواج تعلقات کا طریقہ، خواب و بیداری کا طریقہ
 سواری کا طریقہ، ٹونڈی اور غلام کو اپنی خدمت کے لئے قبول فرنانے
 کا طریقہ، آپ کے معاملات اور خرید و فروخت کا طریقہ، حوائج ضروری
 کے آداب، اصلاح اور خط بنوانے کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے، اور
 قرشوانے میں آپ کا طریقہ، آپ کا طرز کلام، آپ کی خاموشی، آپ
 کا خندہ فرمانا، آپ کا رونا، آپ کا طریقہ خطابت، طریقہ وضو، موزن
 پر مسج کرنے کا طریقہ، طریقہ تیمم، آپ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ آپ کا
 مسجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ، آپ کے سجدہ کرنے کا طریقہ،
 قعدہ غیر میں آپ کی نشست کی کیفیت، آپ کی نماز میں بیٹھنے اور
 اور تشہید کے وقت انگلی اٹھانے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سلام
 پھیرنے کا طریقہ، نماز میں آپ کا دعا فرمانا، آپ کے سجدہ سہو کرنے
 کرنے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سترہ کھڑا کرنے کا طریقہ، نماز میں
 آپ کا دعا فرمانا، سفر و حضر، مسجد اور گھر میں آپ کے سنن و نوافل
 پڑھنے کا طریقہ، تہجد یا فجر کی سنت کے بعد آپ کی استراحت کا طریقہ
 آپ کے تہجد پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ
 آپ کا وتر کے بعد نماز پڑھنے کا طریقہ، آپ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت
 آپ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، آپ کے سجدہ شکر بجالانے کا طریقہ

آپ کے سجدہ قرآنی کے ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے جمعہ کے معمولات
 آپ کے جمعہ دن کے عبادت کا طریقہ، آپ کے خطبہ دینے کا طریقہ،
 صلوٰۃ عیدین میں آپ کا طریقہ، سورج گرہن کے وقت آپ کے نماز
 پڑھنے کا طریقہ، استسقاء میں آپ کا طریقہ، آپ کے سفر کا طریقہ،
 سفر میں آپ کے نفل پڑھنے کا طریقہ، آپ کے دو نمازوں کو اکٹھی
 پڑھنے کا طریقہ، آپ کے قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ، بیماروں کی
 عبادت میں آپ کا طریقہ، جنازوں کے متعلق آپ کا طریقہ، جنازوں
 کے ساتھ آپ کے تیز قدم اٹھانے کا طریقہ، آپ کا میت پر کپڑا ڈالنے
 کا طریقہ، کسی میت کے آنے پر اس کے متعلق آپ کے سوال کرنے کا
 طریقہ، جنازہ کی نماز میں آپ کا طریقہ، چھوٹے بچوں پر آپ کا نماز
 جنازہ پڑھنے میں آپ کا معمول، خود کشی کرنے والے اور جہاد کے
 مال غنیمت میں خیانت کرنے والے پر آپ کا نماز نہ پڑھنا، جنازہ کے
 آگے آگے آپ کے چلنے وغیرہ کا طریقہ، جنازہ غائب پر آپ کے نماز
 پڑھنے کا طریقہ، جنازہ کے لئے آپ کے کھڑے ہونے کا طریقہ، تحریت
 اور زیارت قبور میں آپ کا طریقہ، صلوٰۃ خوف میں آپ کا طریقہ،
 زکوٰۃ و مستحبات میں آپ کا طریقہ، روزہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا
 رمضان میں زیادہ عبادت کرنے کا طریقہ، چاند دیکھنے کے ساتھ ہی روزہ
 افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، چاند دیکھنے کی گواہی قبول کرنے میں آپ کا
 طریقہ، سفر میں روزہ کے افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، عرفہ کے دن
 عرفہ کی وجہ سے افطار فرمانے اور جمعہ، شنبہ، یکشنبہ میں آپ کے
 روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے پے درپے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے

نفل روزہ رکھنے اور اس کے ٹوٹ جانے پر ادا نہ کرنے کو واجب نہ سمجھنے کا طریقہ، روزہ جمعہ کو روزہ کے لئے مخصوص کر لینے پر آپ کا کراہیت فرمانا، آپ کے اعتکاف کا طریقہ، حج و عمرہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا ایک سال میں دو عمرہ کرنے کا طریقہ، آپ کے عجون کی کیفیت، آپ کا حج میں اپنے دست مبارک سے قربانی فرمانے کا طریقہ، آپ کا حج میں سر منڈوانے کا طریقہ، ایما حج میں آپ کے خطبوں کا طریقہ، عید الاضحیٰ میں آپ کے قربانی کرنے کا طریقہ عقیقہ میں آپ کا طریقہ، نوموود بچہ کے کان میں آپ کے اذان دینے کا طریقہ اور اس کے نام رکھنے اور اس کا ختنہ کرنے میں آپ کے عادات، ناموں اور کنیتوں کے رکھنے میں آپ کا طریقہ بونے میں احتیاط اور الفاظ کے انتخاب میں آپ کا طریقہ، اوکار و تلاوت میں آپ کا طریقہ، گھر میں داخلہ کے وقت آپ کا طریقہ، بیت الخلاء جانے اور واپس آنے کا طریقہ، آپ کے کپڑا پہننے کا طریقہ، وضو کی دعا کے متعلق آپ کا طریقہ، اذان کے وقت الفاظ اذان کے دہرانے کے متعلق آپ کا طریقہ، رویت ہلال کے وقت آپ کے دعا فرمانے کا طریقہ، کھانے کے پہلے اور اس کے بعد آپ کے دعاؤں پڑھنے کا طریقہ، آداب طعام میں آپ کا طریقہ، آداب سلام میں آپ کا طریقہ، آپ کا دوسروں کے گھر میں اجازت مانگ کر داخل ہونے کا طریقہ، آداب سفر میں آپ کے طریقے اور سفر میں دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، نکاح کی دعاؤں کے متعلق آپ کا طریقہ، بعض الفاظ کے استعمال کو مکروہ

سمجھنے میں آپ کی عادت، غزوات اور جہاد میں آپ کا طریقہ۔
 قیدیوں کے متعلق آپ کا معمول، قیدی جاسوس اور غلام کے
 متعلق آپ کا معمول، صلح کرنے امان دینے، خبر یہ مقرر کرنے اور
 اہل کتاب و منافقین کے ساتھ معاملات کرنے میں آپ کا طریقہ
 کفار و منافقین کے ساتھ علی الترتیب، آپ کے برتاؤ کرنے کا
 طریقہ، آپ کا امراض قلب اور امراض بدن کے علاج کا طریقہ۔
 میں نے آپ کے سامنے جزئی جزئی باتوں کی اجمالی فہرست
 پیش کی ہے، اس سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ان
 چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا گیا ہے تو بڑی بڑی اہم باتوں
 کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہوگی غرض ایک انسان کی زندگی کے
 جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں، وہ سب محفوظ اور مذکور ہیں۔

حضرات! آپ نے سمجھا ہو گا کہ کاملیت سے میرا کیا مقصود
 ہے۔ اور میرے اس دعویٰ کی (کہ اس معیار پر سیرۃ محمدیؐ کے
 سوا انبیاء میں کسی کی سیرت محفوظ نہیں) صداقت آشکارا ہو گئی
 ہوگی۔

وقت کم ہے اور مضمون ابھی بہت باقی ہے، تاہم یہ مختصراً
 سن لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد
 میں ہوں یا میدان میں، نماز شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں
 کی دستی میں، منبر پر ہوں یا گوشہ تنہائی میں، ہر وقت اور
 ہر شخص کو حکم تھا، کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب
 منظر عام پر لائی جلتے، ازواج مطہرات رضائے آپ کے خلوت خانوں

کے حالات سننے اور بتانے میں مصروف رہیں، مسجد نبوی میں ایک چبوترہ ان عقیدت مندوں کے لیے تھا، جن کے رہنے کے لیے گھر نہ تھے، وہ باری باری سے دن کو جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر لاتے، اور اس سے روزی حاصل کرتے، اور سارا وقت آپ کے ملفوظات سننے، آپ کے حالات دیکھنے اور آپ کی معیت میں گزارنے کے لیے صرف کرتے تھے، ان کی تعداد ستر کے قریب تھی، انہی میں حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایات نہیں، یہ ستر مستیاں جاسوں کی طرح شب و روز، ذوق و شوق کے ساتھ آپ کے حالات دیکھنے اور دوسروں سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام آبادی دس برس تک متصل آپ کی ایک ایک حرکت و سکون اور ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی، غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزار ہا صحابہ کو شب و روز آپ کے دیکھنے اور آپ کے حالات مبارکہ سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، غزوہ فتح میں ۱۰ ہزار، تبوک میں ۳۰ ہزار اور حجتہ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہ کو آپ کی زیارت کے موقع ملتے رہے اور خلوت جلوت، گھر اور باہر، صفہ اور مسجد، حلقہ تعلیم اور میدان جنگ تک جس نے جس حال میں آپ کو دیکھا اور اس کی اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت، بلکہ حکم اور تاکید تھی، اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کون سا پہلو ہوگا جو زیر پردہ رہا ہوگا۔ اور اس پر ایک شخص تک آپ پر خردہ

گیری نہ کر سکا، آج بھی آپ کے دشمن اور مخالف پوری جہان
 ہیں اور تلاش جستجو کے بعد مسئلہ جہاد اور تعدادِ اندواج کے
 سوا آپ پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے تو آپ ایسی زندگی کو
 معصوم اور بے گناہ کہنا زیبا ہے، یا ان زندگیوں کو جن کا
 بڑا حصہ ہماری نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے !

ایک حیثیت سے اور غور فرمائیے، آنحضرت صلعم ہمیشہ صرف
 اپنے عقیدوں ہی کے حلقہ میں نہیں رہے، بلکہ مکہ میں قریش کے
 کے مجمع میں رہے، نبوت سے پہلے ہم برس آپ کی زندگی انہی
 کے ساتھ گزری، اور پھر تاجرانہ زندگی، لیس دین کی زندگی،
 معاملہ اور کاسبانہ کی زندگی، جس میں قدم قدم پر بد معاملگی،
 بدینتی، خلاف وعدگی اور خیانت کاری کی عمیق غار آتے ہیں، مگر
 آپ اس قدر بے خطر اس راستہ سے گزر گئے کہ آپ کو ان سے
 ایمین کا خطاب حاصل ہوا، نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ پر
 یہ اعتماد تھا کہ امانتیں آپ ہی کے پاس رکھواتے تھے، چنانچہ
 ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ کو اس لئے مکہ میں چھوڑا تاکہ
 آپ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں، آپ کے دھوائے
 نبوت پر تمام قریش نے سر بھی ظاہر کی، مقاطعہ کیا۔ دشمنیاں
 ظاہر کیں، آپ کو سحر کہا، شاعر کہا، محنون کہا، مگر کسی نے یہ
 جرأت نہ کی کہ آپ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی
 زبان سے نکال سکے، حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعویٰ کو کے

یہ معنی ہیں کہ مدعی اپنے بے گناہی اور معصومیت کا دعویٰ کر رہا ہے اس دعویٰ کے ابطال کے لئے آپ کے اخلاق و اعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں، تاہم اس دعویٰ کو توڑنے کے لئے انہوں نے اپنی دولت لٹائی، اپنی اولاد کو قربان کیا، اپنی جانیں دیں، لیکن یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں، کیا اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ جو آپ دوستوں کی نظر میں تھے، وہی دشمنوں کی نگاہ میں بھی تھے، اور کوئی چیز زیر پردہ اور نامعلوم نہ تھی

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رئیس جلسہ جماتے بیٹھے تھے اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نغز بن حارث نے جو قریش کا سب سے زیادہ جماندیدہ تھا، کہا ”اے قریش! تم بہت مصیبت آئی ہے تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمد تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پستید، سچا اور امانت دار تھا، اور اب جب اس کے بالوں میں سفیدی آچلی، اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو، کہ وہ ساحر ہے کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم میں نے اس کی باتیں سنی ہیں، محمدؐ کوئی بات نہیں“ (ابن ہشام)

آپؐ کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل کہا کرتا تھا ”محمدؐ تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی

سے (ترندی تفسیر انعام)

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُنَا الَّذِي يَتَوَلَّوْنَ فَاثْمَهُمْ لَا يَكْذِبُونَ
وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ (انعام)

ہم جانتے ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تم کو (اے پیغمبر) غمگین کرتی ہیں، تو یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں

جب آنحضرت صلعم کو پیش گاہ الہی سے حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو، تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا، ”یا معشر قریش!“ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا ”اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا،“ سب نے کہا ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔“
(بخاری شریف سورۃ تبت)

قیصر روم کے دربار میں قاصد نسوی پہنچا ہے، کفار قریش میں آنحضرت صلعم کے سب سے بڑے حریف اور مقابل ابوسفیان جوچہ برس متواتر آپ کے مقابلہ میں فوجوں کے پرے جھاتے رہے، وہ آنحضرت صلعم کی تصدیق حال اور تقیش کے لئے بلائے گئے ہیں، موقع کی نزاکت پر غور کرو ایک دشمن کی شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے حق میں ہے، جس کو وہ دل سے شادینا چاہتا ہے ایک ایسے باسرو سامان بادشاہ کے دربار میں اس کی شہادت

ہے کہ اگر اس کمراضی کر لیا جائے تو دم کے دم میں اس کی فوجیں
مدینہ کی سمت بڑھ سکتی تھیں تاہم اس سوال کے جواب کو سنئے
قیصر مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے ابوسفیان شریف ہے
” اس خاندان کے کسی اور نے “ ” نہیں

بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے

” اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے “ ” نہیں
” جن لوگوں نے اس کے مذہب کو “ ” کمزور لوگ
قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر
” اس کے پیرو بڑھے ہیں یا “ ” بڑھتے جاتے
گھٹتے جاتے ہیں

” کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت
جھوٹ کا بھی تجربہ ہے

” وہ کبھی اپنے عمد و قارسے
بھی پھرا ہے
” وہ کیا سیکتا ہے

” ابھی تک تو نہیں
مگر آئندہ دیکھیں
” کتا ہے کہ ایک
خدا کی عبادت کرو
نمانہ پڑھو، پاکدامنی
اختیار کرو سچ ہو لو
اہل قرابت کا حق ادا
کرو

کیا اس سے زیادہ نازک موقع کی شہادت سولے سیرت محمدی کے اور کہیں دستیاب ہو سکتی ہے اس سے زیادہ آپ کی کاملیت کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ ملتفت کرنا ہے، آنحضرت صلعم پر جو لوگ ابتداءً ایمان لائے، بلکہ ایک ایسی قوم کے افراد تھے وہ دریا کے کنارے مابی گیر نہ تھے، وہ مصر کے محکوم اور غلام قوم کے افراد نہ تھے، بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے، جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھے، اور جس نے ابتدائے افریش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی، وہ لوگ جن کے تجارتی کاروبار ایران، شام، مصر اور ایشاتے کوچک تک پھیلے تھے، ان میں وہ لوگ تھے جن کی دقیقہ سنجی، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت، مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا مقابلہ کیا، اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ملکوں پر فرما مردائیاں کیں، اور حکومت کے نظم و نسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا، کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پرزور، قوی بازو اور دانیان روزگار سے آنحضرت صلعم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا، اور وہ دھوکا کھا سکتے تھے، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے، اور جو آپ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت

سمجھتے تھے یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حالات و واقعات پر کبھی کوئی
پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی آپ جس طرح تھے اسی طرح

سب کو معلوم تھے، اور اسی طرح اب تک ہیں، حضرت عائشہ
آپ کی زوجہ محترمہ جو نو برس آپ کے ساتھ رہیں، فرماتی ہیں
جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمدؐ نے خدا کے احکام میں سے کچھ
چھپا لیا، اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا، تو اس کو سچ نہ جانیو
کہ خدا فرماتا ہے، (صحیح بخاری تفسیر آیت ذیل)

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ اِسْمُ يَسْمِعُ بِاللَّغْوِ كَمَا
مَنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ كَمَآ دَعَاكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْكَافِرِينَ
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ، (مائدہ ۶۷) کیا تو تو نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا،
دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ
کمزوری کا بھی بے خطر ہر ملا اعلان کر دے، خصوصاً وہ جو
ایک جماعت کی رہبر می و رہنمائی اور وہ بھی روحانی و اخلاقی
کر رہا ہو، لیکن قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں، جن میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ظاہری لغزشوں پر تنبیہ کی گئی ہے،
تاہم ان میں سے ہر آیت آپ نے پڑھ کر سنائی لوگوں نے
یاد کی، ہر محراب و مسجد میں پڑھی گئی، اور اب تک جہاں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، وہ آیتیں ان کے ماننے والوں کی زبانوں
پر ہیں، حالانکہ اگر ان معمولی فرد گزشتوں کا قرآن پاک میں

ذکر نہ ہوتا تو آج دنیا کو ان کا علم بھی نہ ہوتا، مگر ایک ایک زندگی کی ہر چیز روشن ہونی تھی، اور وہ کی گئی،

آنحضرت صلیم کا اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جہلاتے عرب کے نزدیک قابل اعتراض تھا، اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں تبصریح مذکور ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلیم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے جس میں اس نکاح کا تذکرہ ہے (مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۳۳) تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے، مگر

آنحضرت صلیم نے ایسا نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلیم کی زندگی کا کوئی پہلو تاریک نہیں رہا۔

بارسورتھ اسٹھ صاحب کی یہ شہادت پیش کرنے کے

لائق ہے، ”یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز

پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے؛

شخصیت کی تاریک گہرائیاں حقیقت ہیں اور

ہماری پہنچ کے خط سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی

لیکن محمد کی وہ بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں

ان کی جوانی، ان کا ظہور، ان کے تعلقات ان کے

عادات، ان کا پہل تخیل، اور تدریجی ترقی، ان کی

عظیم الشان وحی نوبت نوبت آتا، اور ان کی اندرونی

تاریخ کے لئے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان

کیا جا چکا ہے ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں جو
 اپنی اصلیت میں، اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے
 مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے لیکن جوہری
 صداقت میں کوئی شخص کبھی سنجیدہ شک نہ کر سکا اگر کوئی
 کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانہ کے ماسٹر
 ریسرٹ کا آئینہ ہو تو یہ کتاب ہے، عموماً تصنع اور
 بناوٹ سے پاک، غیر مرتب، متضاد ٹھکانے والی
 لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور، ایک دماغ
 جو اس روحانیت سے بریزا، جو اس کے اندر بند ہے
 خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن انسانی کمزوریوں
 کے ساتھ جن سے پاک ہونے کا کبھی انہوں نے
 دعویٰ نہیں کیا، اور یہ محمدؐ کی آخری عظمت ہے کہ
 انہوں نے ان سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا (ص ۱۵)
 گین کے الفاظ میں کسی ابتدائی پیغمبر نے کبھی صداقت
 کا کوئی ایسا سخت امتحان پاس نہیں کیا، جیسا کہ محمدؐ نے
 جب کہ اس نے پہلے پہل اپنے کو بحیثیت پیغمبر کے
 ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اس کی کمزوریوں
 سے بحیثیت ایک انسان ہونے کے واقف تھے، وہ
 لوگ جو اس سے سب سے زیادہ واقف تھے، ان کی
 بیوی، ان کا تھکی غلام، ان کا چچا زاد بھائی ان کا سب

سے پرانا دوست جس نے جیسا کہ محمدؐ خود کہا ہے، کہ اس کے پیروں میں وہی ایک ہے جس نے نہ پشت پھیری، اور نہ گھبرایا، یہی لوگ اس کے سب سے پہلے معتقد ہوئے، پیغمبروں کی عام قسمت محمدؐ کے حق میں بالکل اُلٹ گئی، وہ غیر معزز نہ تھا، لیکن ان کے نزدیک جو اس سے واقف نہ تھے (۱۰۸-۱۰۹)۔

ان شہادتوں کا یہ مطلب ہے کہ جو جس قدر آنحضرت ﷺ کے حالات سے واقف تھا، اسی قدر زیادہ وہ ان کا عقیدہ تھا، عام پیغمبروں کا یہ اصول رہا ہے، پہلے ان کو واقفوں نے مانا ہے، تب جا کر گھروالوں کی باری آئی ہے، مگر آنحضرت ﷺ کا سانحہ حیات اس سے بالکل مختلف ہے، آپ کو سب سے پہلے انہوں نے مانا جو آپ کے اخلاق عادات اور حالات سے زیادہ واقف تھے، اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے ایمان و اعتماد کا شدید خطرناک امتحان دیا ہے حضرت خدیجہؓ تین برس تک آپ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہیں، جس میں بھوک اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت جب ہر چار طرف دشمن تعاقب میں تھے، رات کی تاریکی میں آپ کے ساتھ خطرناک رفاقت کا حق ادا کیا، حضرت علیؓ نے اس بستر پر قدم رکھا جو صبح کو متقل بننے والا تھا، حضرت زیدؓ خاص وہ تھے جو پتہ لٹے پر اپنے باپ کے اصرار پر بھی اپنے والدانی باپ سے مفارقت

گوارہ نہ کی ،

گارڈ فری ہیگنس اپالوجی فار محمدؐ میں کہتا ہے :
عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ صلعم کے پیغام
نے وہ نشہ آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو
عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے
— جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ
گئے ، ان کا نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے معتدء کو موت
کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے — برعکس اس
کے محمدؐ صلعم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے ،
اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل
دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا ، (ترجمہ ادو ص ۴۶)
۷۷ مطبوعہ بریلی ۱۹۷۳ء

احمد کے مشہور معرکہ میں جب قریش کے تیغ زنوں نے
آپ پر یورش کی اور مسلمانوں کی صفیں درہم ہوئیں تو آپ نے
آواز دی کہ کون مجھ پر جان دیتا ہے ، ، اس آواز کو سن کر دفعۃً
سات انصاری نکل آئے اور ایک ایک نے جانبازی لڑ کر جانیں
فدا کر دیں ، ایک انصاری خاتون کے باپ ، بھائی ، اور شوہر تین
پیارے جانیں اس معرکہ میں تصدق ہوئیں ، باری باری تین سخت
حادثوں کی صدائیں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں ، اور ہر بار صرف
یہ پوچھتی جاتی ہے کہ جانِ عالم رسول اللہؐ صلعم کیسے ہیں ؟ لوگوں نے
کہا بخیر ہیں ، اس نے پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار رپکا

اٹھی، گل مصیبت بعد از جلال یا ترسوں اللہ، تیرے ہوتے سب
مصیبتیں بھیجیں ہیں

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہد دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم
دوستو! محبت یہ عشق، یہ جان نثاری ان میں تھی جو آپ کو
ہر طرح اور ہر حیثیت سے جانتے تھے، کیا ایسے شخص کے ساتھ جس کی
زندگی اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کی نگاہ میں کامل نہ ہو، اس
لائی ہو سکتی ہے کہ اس پر وہ جانیں قربان کریں اس زیادہ یہ ہے
کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی زندگی کو ان کے لئے نمونہ بتایا، اور اس
کی پیروی کو خدا کی محبت کا ذریعہ بتایا،
اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي اے لوگو! اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ
میں تم کو اللہ، (ال عمران) ہے تو میری اتباع کرو، تو خدا تم کو
پیار کرے گا۔

آپ کی اتباع کو یعنی آپ کی زندگی کی تھل و عکس کو خدا کی
محبت کا معیار بتایا ایک لمحہ کے لیے نشہ دینی سے سرمست ہو کر اپنی
جان دینا آسان ہے، مگر پوری عمر ہر چیز میں ہر حالت میں، ہر
کیفیت میں آپ کی اتباع کے بل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی
بات میں سنت محمدی سے قدم ادھر ادھر نہ ہو سب سے مشکل امتحان
ہے اس سے اتباع کے امتحان میں تمام صحابہ پورے اترے،
اور اسی جذبہ نے صحابہؓ تابعین، تبع تابعین، محدثین، مورخین،
اور ارباب سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا ہے، کہ وہ آپ کی ایک ایک

بات، ایک ایک چیز، ایک ایک جنبش کو معلوم کریں، پچھلوں کو بتائیں تاکہ اپنے اپنے امکان بھر بر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کئے اس نکتہ سے ظاہر ہو گا کہ آنحضرت صلعم کی زندگی اس کے جانتے والوں کی نگاہ میں پوری کامل تھی، تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال کا معیار یقین کیا

اسلام کی نگاہ میں آپ کی حیات ایک مسلمان کے لیے کامل نمونہ ہے۔ اس لیے اس نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں، اور سب کے سامنے ہیں، اسی سے ثابت ہو گا کہ آپ کی زندگی کے سلسلہ میں کوئی کڑی گم نہیں ہے، کوئی واقعہ زیر پرہ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے اور یہی ایک ذریعہ کسی کے کامل، معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے، نیز ایسی ہی زندگی جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہوں، انسان کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔

دنیا میں بابل و اسیریا ہندوستان و چین، مصر و شام، یونان و روم میں بڑے بڑے تمدن پیدا ہوئے، اخلاق کے بڑے بڑے نظریے قائم کیے گئے، تہذیب و شائستگی کے بڑے بڑے اصول بنائے گئے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، ملنے جلنے، پہننے اوڑھنے، رہنے رہنے سونے جلنے، شادی بیاہ، مرنے جینے، غم و مسرت، دعوت و ملاقات، مصافحہ و سلام، غسل و طہارت، عبادت و تعزیت، تبریک و تسنیت، دفن و کفن کے بہت سے رسوم، آداب و شرائط، اور ہدایت مرتب ہوئے، اور ان سے ان قوموں کی تہذیب و تمدن اور معاشرت کے

اصول بناتے گئے۔ یہ اصول صد ہا سال میں بنے، پھر بھی بگڑ گئے، صدیوں میں ان کی تعمیر ہوئی، تاہم وہ قتا ہو گئے، لیکن اسلام کا یہ تمدن چند برسوں میں بنا اور تعمیر ہوا اور ۱۴ سو برس سے قبل کل روئے زمین کی سیٹھکڑوں مختلف اقوام میں یکسانی کے ساتھ قائم ہے، کیونکہ اس کا ماخذ ایک ہے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے، اس زندگی کے آئینہ میں صحابہؓ نے اپنی زندگیاں سجائیں، اور ان کا عکس تابعین نے اتارا، اور اس طرح وہ تمام دنیا سے اسلام کا عمل اور رسم بن گئی، وہ مقدس زندگی مرکزی نقطہ تھی، صحابہؓ نے اس کو خط اور بعد کی نسلوں نے اس کو دائرہ بنا دیا، وہ تمدن آج گو کامل نہیں مگر اس کے نقش قدم اب بھی ہیں، اور اسی پر کل مسلمان چل رہے ہیں، ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی اور کامل تصویر آج بھی ہم میں موجود ہے، افریقہ یا ہندوستان کا کوئی قبیلہ جو مسلمان ہوتا ہے اس کو جہاں سے مذہب ملتا ہے، وہیں سے تمدن و تہذیب اور شائستگی کا سبق ملتا ہے، مسلمان ہونے کے ساتھ یہ پیغمبر اسلامؐ کی پوری زندگی، انسانی ضروریات اور حالات کے ساتھ اس کے سامنے آجاتی ہے، اور یہ بولتی چلتی، جیتی جاگتی تصویر ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہیں۔

ایک یہودی نے ایک صحابیؓ سے طنزاً کہا تھا، کہ تمہارا پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، اور معمولی معمولی باتیں سکھاتا ہے، انہوں نے فخراً کہا کہ ہاں، ہمارا پیغمبر ہم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، یہاں تک کہ اس نے استنجا اور آبدہشت کی بھی تعلیم دی ہے اور آج بھی اس کامل تعلیم کی سیرت کو فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں گویا

سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم اور روح ظاہر و باطن و قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم، طور و طریق کی اصلاح اور درست کر سکتا ہے اور اسی لئے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لئے اپنے مذہب سے باہر، اور اپنے رسول کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی، اور نہ اس کو ضرورت ہے، سیرت محمدی دنیائے اسلامی کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلے سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے، اور چونکہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں، اس لئے تمام انسانوں کے لئے یہی ایک کامل نمونہ ہے اور ایسی ہی کامل نمونہ اور ہے پر وہ زندگی انسانوں کے لئے قابل نمونہ ہو سکتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم

۵

جامعیت

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمُ اللّٰهُ

حضرات! خدا کی محبت کا اہل، اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے، اور وہ یہ ہے، کہ اس مذہب کے شارح اور طریقہ کے بانی نے نصیحتیں کی ہیں، ان پر

عمل کیا جاتے، لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی اور اتباع کو خدا کی محبت کے اہل اہل اس کے پیار کے مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے، چنانچہ اسلام بیلی دو چیزیں ہیں، کتاب اور سنت، کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں، اور سنت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلام ﷺ خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے یعنی آپ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورت الفاظ ہے، الفرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیل روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ سنت نبوی ہے وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنف انسانی سے متعلق ہوں، اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر ہے، باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ، یارئیں جو اور احکام بھی ضروری ہیں اور محکوم، مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور مجبوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کا سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی، رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہیں، اور دوست و احباب بھی تاجروں اور سوداگر بھی ہیں اور امام اور پیشوا بھی ہیں، غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے، اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی کی اتباع کی دعوت دیتا ہے اس کے صاف

حتیٰ یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقاتِ انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے، جو ان میں سے ہر ایک کے لئے لبّ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے، اسلام کے صرف اسی نظریہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت ہے، یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لئے، اس سرشپاک میں نصیحت پڑی اور عمل کے لئے درس اور سبق موجود ہیں، ایک حاکم کے لئے محکوم کی ذمہ داری، اور محکوم کے لئے حاکم کی زندگی، ایک دوستانہ کے لئے غریب کی زندگی، اور غریب کے لئے دوستانہ کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، اسی لئے ضرورت سے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو

اصنافِ انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی، سنستے بھی ہیں روتے بھی، پہنتے بھی ہیں اور اتارتے بھی، تہاتے بھی ہیں اور دھوتے بھی، لیتے بھی ہیں، اور دیتے بھی، سیکھتے بھی اور سیکھاتے بھی، مرتے بھی ہیں اور مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی، اپنی جان بھی دیتے ہیں، اور بچھلتے بھی، عبادت و دعا بھی کرتے ہیں، اور کار و بار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی، ہم کو امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں عملی کمونوں کی ضرورت ہے جو ہم کو بہتر حالت میں پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی

کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضا سے ہے، وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے، اور جن کی تعبیر ہم اعمال قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں، ہر آن ہم ایک نئی قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں، ہم کبھی راضی ہیں کبھی ناراض ہیں کبھی خوش ہیں، کبھی غم زدہ ہیں اور کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور نعمتوں سے مالا مال، کبھی ناکام ہوتے ہیں، اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں، اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار انہی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور یا قاعدگی پر ہے، ان سب کے لئے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے جس کے ماتحت ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی ہو جو انہی راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے جس پر سے مدینہ کا بے نفس انسان کبھی گزر چکا ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، رضا بقدر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغنا، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض نشیب و فراز بلند و بست، تمام اخلاق پہلوؤں کے لیے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے، مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس! حضرت یحییٰ کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے مگر نرم اخلاق کا نہیں، حضرت عیسیٰ کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے مگر سرگرم اور

خون میں حرکت پیدا کرتے والی قوتوں کا وجود نہیں، انسانوں کو اس دنیا میں ان قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے، اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلام کی سوانح میں مل سکتی ہیں

غرض ایک ایسی شخصی زندگی، جو طائفہ انسانی کے اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہے اگر دولت مند ہو تو مکہ کے اور مکرین کے خزانہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر فاتح ہو تو مند حنین کے سپہ سالاروں پر نگاہ دوڑاؤ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس کے معلم قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامیں کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جہاؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بکسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا آہوۃ حسد تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو ذیہ اور منافقوں کو کنزور بنا چکے ہو تو بنی نصیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ دامتہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو علیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چمڑا ہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کا رہبر

میں ہو تو بصری کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو اگر عدالت کے قاضی اور نیچا تیول کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و عریب برابر تھے، اگر تم بویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسن و حسین کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو، اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلیم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہر دم دل مل سکتا ہے اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر تلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ کی سیرت ہے، اس کے سامنے نوح، ابراہیم، ایوب و یونس، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام دوسرے انبیائے کرام کی سیرت صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دو کانیں ہیں اور محمد رسول اللہ صلیم کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکٹ) ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلبکار کے لئے بہترین سامان موجود ہے

آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے مشہور واعظ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم نور اسلام نام ایک رسالہ نکالتے تھے، اس میں انہوں

نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی راتے لکھی ہے، کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں انہوں نے پوچھا ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰ کو کیا سمجھتے ہو، اس نے جواب دیا کہ محمد کے مقابلہ میں عیسیٰ ایسے معلوم ہوتے ہیں، جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھلا بچہ بیٹھا ہوا بیٹھی بیٹھی باتیں کر رہا ہو انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو، اس نے جواب دیا کہ مجھ کو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے، بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو، اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو، بلکہ خدا کے قبضہ میں، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دار الحکومت میں آ رہے ہوں، اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر جو کھانا جلتا ہو، اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گزر جاتے ہوں سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نیستے آدمیوں کو بے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جانشینوں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون و چرا دستخط کر دیتا ہو شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، یا تعلق ایسا ہو کہ عرب

کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب و غلس
مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کو بھولا ہوئی قوم کے سدھار کی اس کو فکر
غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہوا اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا
کے سامنے کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو، اور اس کے سوا ہر چیز اس کو
فراموش ہو اس نے کبھی اپنی ذات کے لئے اپنے برا کئے والوں سے
بدلہ نہیں لیا، اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعا خیر کی اور ان کا
بھلا چاہا۔ لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور
حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا، اور عذاب الہی
سے ڈراتا رہا، عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی
دھوکا ہوتا ہو، وہ ایک زندہ دار اور زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو
جاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ
یہ غیرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اس وقت
جب ہم شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال کا تکیہ
لگائے کھر دری چٹائی بیٹھا درویش نظر آتا ہے، عین اس وقت جب
عرب کے اطراف سے آکر اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب
کا انبار لگا ہوتا ہے، اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، عین
اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لوٹدی اور
غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں، فاطمہ بنت رسول اللہ جا کر اپنے ہاتھوں
کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو چکی پیستے پیستے اور
شکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے، عین اس وقت جب آدھا
عرب اس زیر نگین ہوتا ہے، حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں، ادھر

اُدھر نظریں اٹھا کر کا شانہ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں آپ ایک کھڑی چا پائی پر آرام فرما رہے ہیں، جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھوٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرور کائنات کے گھر میں یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں، سبب دریافت ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ اس سے بڑھ کر روئے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں، اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں، ارشاد ہوتا ہے، عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔

ابوسفیان جو آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے حریف تھے فتح مکہ کے دن حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں رنگ رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں سلام کا دریا امنڈتا آ رہا ہے، قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی چلی آرہی ہیں، ابوسفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں، وہ حضرت عباس سے کہتے ہیں، عباس! تمہارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا ہے، عباس کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا ابوسفیان یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے

عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس، شہور حاتم طائی کے فرزند تھے، اور مذہباً عیسائی تھے، وہ حضور کے دربار میں آتے ہیں، صحابہ کی عقیدت مندیوں، اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے کہ محمد بادشاہ ہیں یا پیغمبر! دفعۃً مدینہ کی ایک

غریب لوٹدی اگر کھڑی ہوتی ہے، اور کہتی ہے کہ حضور سے کچھ عرض کرنا ہے، فرماتے ہیں دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں، یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں، اس ظاہری جاہ و جلال کے پردہ میں یہ عجز، ہیخاکساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے ساغ سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے۔ فوراً گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں غرض میں نے جو کچھ پہلے کہا، وہ محض شاعرانہ برداری نہیں بلکہ تاریخی واقعات ہیں۔ ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ضعف انسانی کے لئے ہدایت کی مثالیں اور نظریں رکھتی ہیں وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے، وہ غیظ و غضب اور رحم و کرم، جو و وسخا، اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور حم دلی اور رقیق و قلبی خانہ داری اور خدادانی، دنیا اور دین دونوں کے لئے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کرے جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بشارت دے، اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد و قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ دنیا میں صرف عفو و درگزر معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں، اس لئے

جس مستی میں صرف ایک پہلو ہو ۔ وہی انسانیت کی سب سے بڑی معلم اور محسن ہے ۔ لیکن ہمیں یہ بتاؤ کہ انسان کے اخلاق میں کیا فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں یا اس کے مقابل کی قوتیں بھی ہیں ایک انسان میں دیکھو تو غصہ اور کرم ، محبت اور عداوت ، خواہش اور قناعت ، انتقام اور عفو ہر قسم کے فطری جذبات موجود ہیں ، اس لیے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے ، جو انسانیت کے ان تمام قوی اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف متعین کر دے ۔ جن مذہبوں کو یہ دعویٰ ہے کہ ان کے پیغمبروں کی سیرتیں صرف دھم و کرم اور عفو و درگزر پر مبنی ہیں ، وہ مجھے بتائیں کہ اجتماعی حیثیت سے وہ کتنے دن ان سیرتوں کے مطابق عمل کر کے قسطنطنین پہلے عیسائی بادشاہ سے لے کر آج تک عیسائی مذہب میں کتنے صاحب تاج و تخت پیدا ہوئے ، اور کتنی بادشاہیاں قائم ہوئیں مگر ان میں سے کس نے اپنی سلطنت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو قرار دیا ؟ پھر ایسی سیرت جو عملی دنیا میں برحیثیت سے اپنے پیروؤں کے لئے نمونہ نہ ہو کیونکر جامع کہی جاسکتی ہے ؟

حضرت نوح کی زندگی ، کفر کے خلاف غیظ و غضب کا دلولہ پیش کرتی ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے ، حضرت موسیٰؑ کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد ، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور و قوانین کی مثال پیش کرتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائف صرف خاکساری ، تواضع عفو و

ورگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے، حضرت سلیمان کی زندگی مثلاً نہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے، حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت و انابت اور اعتراف کی مثال ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی قید و بند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی سیرت گریہ و بکا حمد و ستائش اور دعا و زاری کا صحیفہ ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوح اور ابراہیم، موسیٰؑ عیسیٰؑ سلیمان اور داؤد، ایوبؑ اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ کی زندگیاں اور سیرتیں سلوک سا ہی ہیں

محدث خطیب بغدادی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت ندا آئی، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوں ملکوں پھراؤ، اور سمندر کی تہوں میں لے جاؤ کہ تارک دنیا کے ان کے نام نشان کو پہچان جائے۔ جن و انس، چرند و پرند، بلکہ ہر جاندار کے سامنے ان کو لے جاؤ، ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی، اسمعیلؑ کی زبانِ اسحاق کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی اطاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، ایاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاک دامن، اور عیسیٰؑ کا نہ ہر عطا کرو، اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو،

نجن علماء نے ان کو اپنی روایت میں جگہ دی ، ان کا منشاء و حقیقت یہی ہے کہ وہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی صفت جامعیت کو نمایاں کریں ، کہ جو کچھ اور انبیاء عظیم السلام کو متفرق طور سے عطا ہوا تھا وہ سب مجموعی طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوا ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں دیکھو جامعیت کی صفت کاملہ پورے طور پر نمایاں ہو جائے گی کہ کے پیغمبر کو جب مکہ سے یثرب جاتے دیکھو ، تو کیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا جو مہر سے مدین جاتا نظر آتا ہے ، کوہ حرا کے غار نشین اور کوہ سینا کے تماشاخانے میں ایک حیثیت سے کیسی یکسانی نظر آتی ہے ، مگر جو فرق ہے وہ یہ ہے ، کہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھیں کھلی تھیں ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بند ، حضرت موسیٰؑ

باہر دیکھ رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر کوہ زیتوں پر وعظ کرنے والے پیغمبر (حضرت عیسیٰؑ) اور کوہ صفا پر چڑھ کر یا معشر قویش ! کہ دو پکارنے والے میں کتنی مشابہت ہے بدر حنین اور احزاب و تبوک والے سپہ سالار اور موانیوں اور عمونیوں اور اموریوں سے تبر و آزمایہ پیغمبر (موسیٰؑ) میں کس قدر مماثلت ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سات سرداروں کے حق میں بد دعا کی ، تو آپ کی زندگی حضرت موسیٰؑ کے مثل تھی جب انہوں نے ان فرعونوں پر بد دعا کی ، جو معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لاتے ، اور جب آپ نے احد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی

تو اس وقت گویا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قالب میں
 تھے، جنہوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا بھی برا نہیں پایا، جب
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم مسجد نبوی کی عدالت گاہ اور پناہ گاہ
 میں غزوات اور لڑائیوں میں دیکھو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
 کسیرت کا نقشہ کھینچ جائے گا، لیکن جب آپ کو مکانوں کے
 حجرہوں میں پھاڑوں کے غاروں میں رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں
 میں دیکھو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جلوہ نظر آئے گا، شب و
 روز کے ہم گھنٹوں میں آپ کی زبان مبارک کی دعاؤں اور
 مناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤد علیہ السلام کا تم کو دھوکا ہوگا
 فتح مکہ کے خدمِ چشم اور بصری و علم کے سایہ میں آپ کو دیکھو تو
 تزک و احتشام اور فوجوں والے سلیمان علیہ السلام کا مغالطہ ہوگا
 اگر شعب ابی طالب میں آپ کو تین برس اسی طرح محصور دیکھو کہ
 کھانے کا سامان تک بھی دہاں نہ پہنچ سکے تو مصری قید خانے کے
 پیغمبر یوسف علیہ السلام کا جلوہ دکھائی دے گا، غرض،
 وحسن یوسف و م عیسیٰ ید بیضا داری

انچہ خوباں ہمہ دار نہ تو تنہا داری

حضرت موسیٰ علیہ السلام قانون لے کر آئے، حضرت داؤد

علیہ السلام دعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
زہد و اخلاق لے کر مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے،
دعا و مناجات بھی، اور زہد و اخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ و
 معنی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمدی ہے

دوستو! اب سیرت مہدی کی جامعیت کا ایک پہلو تم کو دکھاؤں
 دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، ایک وہ جہاں صرف ایک فن
 سکھایا جاتا ہے اور ہر فن کے لئے الگ الگ اور مستقل تعلیم گاہیں
 ہیں، جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے کوئی انجینئرنگ کالج ہے، ایک
 آرٹ اسکول ہے، ایک تجارت کا مدرسہ ہے، ایک زراعت کی
 تعلیم گاہ ہے، ایک قانون کی درسگاہ ہے ایک فوجی تعلیم کے
 لئے مدرسہ حربہ ہے، ان میں سے ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف
 ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کر سکتی ہے میڈیکل کالج
 سے ڈاکٹر نکلیں گے، زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے
 ماہر پیدا ہوں گے، قانون کے مدرسہ سے صرف قانون دان
 پیدا ہوں گے، علم فن کے مدرسہ کی خاک سے صرف اہل علم اور اہل
 فن اٹھیں گے، لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشا پرداز اور ادیب
 نکلیں گے، ملٹری کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے، علیٰ ہذا اقیان
 لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوتی ہیں، یہ دوسری
 قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت
 کا انتظام کرتی ہیں، ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کا کالج بھی ہوتا
 ہے، اور صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی، زراعت اور انجینئرنگ
 کی تعلیم گاہ بھی ہوتی ہے، اور فوجی تعلیم کا اسکول بھی، طلبہ
 مختلف اطراف و دیار سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق، مناسبت
 طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب
 کر لیتے ہیں، پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے

قاضی اور قانون دان ، کاروبار کے تاجر اور مہندس ، شفا خانوں کے حکیم اور ڈاکٹر ، پیشوں اور صنعتوں کے واقف کار اور ہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔

غور کرو تو معلوم ہو گا کہ صرف ایک ہی تعلیم ، ایک ہی پڑھ اور ایک علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی ، بلکہ ان سب کے مجموعے سے وہ کمال کو پہنچتی ہے ، اور پہنچ سکتی ہے ، اگر ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین ہوں تو تمام دنیا معمور ہو جائے تو اس تمدن و تہذیب کی مشین فوراً بند ہو جائے اور انسانی کاروبار یک قلم مسدود ہو جاتے ، یہاں تک کہ

اگر تمام دنیا صرف زبرد پیشہ خلوت تشتیوں سے بھر جائے ، تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی ، اب آؤ اس معیار سے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں بقول حضرت مسیح درخت اپنے پھل سے پہنچا نا جاتا ہے ، درس گاہ اپنے معنوی فرزندوں ، اور شاگردوں سے پہنچانی جاتی ہیں تعلیم انسانی کی ان درس گاہوں کا جن کے اساتذہ انبیاء علیہم السلام ہیں جاترہ لو تو پہلے کہیں دس بیس ، کہیں ساٹھ ستر کہیں نشتو کہیں کہیں ہزار کہیں دو ہزار کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم آپ کو ملیں گے لیکن جب مدرسہ نبوت کی آخری تعلیم گاہ دیکھو تو تم کو ایک لاکھ سے زیادہ طالب العلم بیک وقت نظر آئیں گے پھر ان دوسری نبوت گاہوں کے طلبہ کو اگر جاننا چاہو کہ وہ کہاں کے تھے ؟ کون تھے کیسے تیار ہوئے ؟ اور ان کے اخلاق

عادات، روحانی حالات اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اور ان کی
 تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے؟ تو تم کو ان
 سوالات کا کوئی جواب نہیں مل سکتا، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ
 میں ہر چیز تم کو معلوم ہو سکتی ہے اس کے ہر ایک طالب العلم کا
 نام و نشان حالات و سوانح، نتائج تعلیم و تربیت ہر چیز تاریخ
 اسلام کے اوراق میں ثبت ہے، آگے پڑھو، نبوت اور دعوت
 مذہب کی ہر درس گاہ کا آج یہی دعویٰ ہے کہ اس کے دروانے
 ہر قوم کے لئے کھلے ہیں مگر اس درس گاہ کے بانی اور معلم اول کی
 سیرت پڑھو کہ کیا اس کے عہد میں کسی ایک ہی ملک، ایک ہی نسل
 ایک ہی خاندان کے طالب العلم اس میں داخل ہوتے اور ان کو
 داخلہ کی اجازت دی گئی، یا ان کی دعوت میں یہ عموم جاسمیت
 اور عالمگیری تھی کہ نسلِ آدم کا ہر ایک فرزند اور ارضِ خاکی کا ہر
 ایک باشندہ اس میں عملاً داخل ہو سکا یا اس کو داخل ہونے کے
 لئے آواز دی گئی۔ تورات کے تمام انبیاء ملک عراق یا ملک شام یا
 ملک مصر سے آگے نہیں بڑھے۔ یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ
 رہتے تھے، محدود رہے، اور اپنی نسل و قوم کے سوا غیروں کو
 انہوں نے آواز نہیں دی، زیادہ تر ان کی کوششوں کا مرکز صرف
 اسرائیل کا خاندان رہا، عرب کے قدیم انبیاء بھی اپنی اپنی قوموں
 کے ذمہ دار تھے، وہ باہر نہیں گئے، حضرت عیسیٰ کے مکتب میں بھی
 غیر اسرائیلی وجود نہ تھا، وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں
 کی تلاش میں تھے (مستی باب ۷ آیت ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دے کر

وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالتا پسند نہیں کرتے تھے ۔
 (انجیل) ہندوستان کے داعی پاک آر یہ ورت سے باہر جانے کا
 خیال بھی دل میں نہیں لاسکتے تھے ۔ اگرچہ بودھ کے پیرو بادشاہوں
 نے اس کے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا ، مگر یہ عیسائیوں
 کی طرح باہر کے پیروؤں کا فعل تھا ، خود داعی مذہب کی سیرت
 اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے

اب آؤ! عرب کے اس امی معلم کی درس گاہ کا مطالعہ
 کریں ، یہ کون طالب العلم ہیں ؟ یہ ابوبکر و عمر علی و عثمان ،
 طلحہ و زبیر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مکہ کے قرشی طالب العلم ہیں ؟
 یہ کون ہیں ؟ ابوذر اور انیس ہیں ، یہ مکہ سے باہر تنہا مکہ کے
 غفاری قبیلہ کے ہیں ، یہ کون ہیں ؟ یہ ابو ہریرہ اور طفیل بن عمرو
 ہیں ، یمن سے آئے ہیں اور دوسری قبیلہ کے ہیں ۔ یہ کون ہیں ؟
 یہ ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل ہیں ، یہ یمن سے آئے ہیں
 اور دوسرے قبیلوں کے ہیں ، یہ کون ہیں ؟ یہ خباب ابن الارت
 قبیلہ تمیم کے ہیں ، یہ منقذ بن حیان اور منذر بن عاتکہ ہیں عبد القیس
 کے قبیلہ کے ہیں اور بکمرین سے آئے ہیں ، یہ عید و جعفر عمان کے
 رئیس ہیں ، یہ قزوہ ہیں ، یہ سحان یعنی حدود شام کے رہنے والے
 ہیں ۔ یہ کالے کالے کون ہیں ؟ یہ بلال ہیں ، ملک حبش کے رہنے
 ہیں ، یہ کون ہیں صہیب رومی کہلاتے ہیں ۔ یہ کون ہیں ؟ یہ ایران
 کے سلیمان فارسی ہیں ۔ یہ فیروز دہلی ہیں ، یہ نجف اور مرکبود
 ہیں ، نسلا ایرانی ہیں ۔

حدیبیہ کی صلح، شرم میں وہ عمدہ نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا ہے یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں۔ اور مسلمان جہاں چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں۔ اس دل خواہ کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام نے

کیا کیا؟ اسی سال سترہ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا۔ دیکھ لگئی ہر قل قیصر روم کی بارگاہ میں عبداللہ بن خداؤ سمہی خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں۔ عاتب بن قتبہ مقوقس عزیز مصر کے یہاں عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس شجاع بن وہب الاسدی شام کے رئیس عارت غسانی اور سلیط بن عمرو دوساے یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمد کی درس گاہ میں داخلہ اذن عام ہے۔

حضرات! اس واقعہ سے درس گاہ میں داخلہ کا اذن عام ہے نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کے لئے رنگ روپ، ملک وطن قوم و نسل اور زبان لہجہ کا سوال نہ تھا، بلکہ وہ دنیا کے تمام خاندانوں، تمام قوموں، تمام ملکوں، اور تمام زبانوں کے لئے عام تھی،

صلائے عام سے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اب آؤ اس درس گاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں،

کیا یہ اسکول اور کالج سے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے یا اس کی حیثیت ایک جامع اور عمومی درس گاہ اور عظیم الشان

یونیورسٹی کی ہے، جہاں فوق، سنا سبب طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ الگ تعلیم ملتی ہے، حضرت موسیٰؑ کی تعلیم گاہ کو دیکھو۔ وہاں صرف قوم کے سپاہی اور یوشع جیسے فوجی افسر اور قاضی اور کچھ غریبی عہدہ دار پائے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے طالب علموں کی تلاش کرو۔ چند زاببیشہ فقراء فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے محمد رسول اللہ صلم کے ہاں کیا نظر آتے گا؟ ایک طرف اصم حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس عبید و جعفر عمان کے رئیس، عامر بن شہر قیلہ، ہمدان کا رئیس، فیروز و لمی اور مرکبہ کے رئیس، عبید و جعفر عمان کے رئیس، دوسری طرف بلال، یاسر، صہیب، خصاب، عمار، اور فکیہہ کے سے غلام، اور سمیہ لیبہ، زبیرہ، نہدیہ اور ام عبیسہ کی لونڈیاں ہیں، غور سے دیکھو، اہل غریب، شاہ گدا، آقا و غلام دونوں ایک ہی صف میں کھڑے ہیں ایک طرف غفلتے روزگار، اسرار فطرت کے مجرم، دنیا کے جہانباں اور ملکوں کے فرمانروا اس درس گاہ سے تعلیم پا کر نکلتے ہیں، ابو بکر صدیق ہیں عمر فاروق ہیں، عثمان غنی ہیں علی المرتضیٰ ہیں، معاویہ بن ابی سفیان ہیں جنہوں نے مشرق سے مغرب تک افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی، اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبیر اور نظم و نسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے

ان کے عدل و انصاف کے فیصلے، ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں، اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہ بن جراحؓ، عمرو بن العاصؓ پیدا ہوتے ہیں، جو مشرق و مغرب کی دو عالم و گنہگار اور انسانیت کے لیے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں سر قلع الٹ دیتے ہیں، اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے، سعدؓ نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا، خالد اور ابو عبیدہؓ نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیم کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین، وادی نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی، عبید اللہ بن زبیر اور ابن ابی شرج نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا، یہ وہ مشہور فاتح اور سپہ سالار ہیں، جن کی قابلیتوں کو زمانہ نے تسلیم کیا، اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے،

تیسری طرف باذان بن ساسان (بین) خالد بن سعید (صنعاء) مہاجر بن امیہؓ (کنندہ) زیاد بن لبید (حضرت موت) عمرو بن حزم (نجران) یزید بن صفیان (تیماء) علاء بن حضری (بحرین) وغیرہ بیسوں وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی، اور

خلق خدا کو آرام پہنچایا، چچہ تھی طرف علماء اور فقیہ کی صف سے ابن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن العاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ابی بن کبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں، جنہوں نے اسلام کے قہر و قانون کی بنیاد ڈالی، اور دنیا کے مقننین میں انہوں نے خاص درجہ پایا، پانچویں صف عام ارباب روایت و تاریخ کی ہے مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت بابر بن عبداللہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سیکڑوں صحابہ ہیں جو احکام و قواعد کے ناقل اور راوی ہیں، ایک چھٹی جماعت ان شتر صحابہ (اہل صفہ) کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کے لئے مسجد نبوی کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دینا میں ان کی ملکیت نہ تھی وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کلٹ کر لاتے اور ان کو بیچ کر خود دکھاتے، کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے تھے، ساتواں رخ دیکھو، ابوذرؓ ہیں، جن کے مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے نزدیک آج کا کھانا ناکل کے لئے اٹھا رکھنا بھی شان توکل کے خلاف تھا، ان کو دربار رسالت نے مسیح الاسلام کا خطاب عنایت کیا تھا، سلمان فارسیؓ ہیں، جو زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں، عبداللہ بن عمرؓ ہیں، جنہوں نے تیس برس کامل طاعت و عبادت میں گزاریے

اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرسے تو مجھے منظور نہیں، مصعب بن عمیرؓ میں جو اسلام لائے پہلے قاتم و صریح کے کپڑے پہنتے اور تازہ نعمت میں پلے تھے، اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کے لیے پورا کپڑا تک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے، عثمان بن مظعونؓ ہیں، جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں، محمد بن سلمہؓ ہیں جو فتنہ کے زمانہ میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر میرے جھرسے میں میرے قتل کرنے کو داخل ہو جائے تو میں اس پر وار نہ کروں گا، ابودرداءؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے،

ایک اور طرف دیکھو :- یہ بہادر کار پر دازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت، اس میں طلحہؓ ہیں، زبیرؓ ہیں، مغیرہؓ ہیں، مقدادؓ ہیں، سعد بن معاذؓ ہیں، سعد بن عبادہؓ ہیں، اسید بن حضیرؓ ہیں، سعد بن زہارہؓ ہیں، عبدالرحمن بن عوفؓ ہیں، کارباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشتکار بھی ہیں اور کسان بھی ہیں، اور عبدالرحمن ابن عوفؓ اور سعد بن زبیرؓ جیسے دو قلمد بھی ہیں ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر

سے فرزند ہمارے تلواروں سے قید کیے گئے، سیدنا حضرت عمارؓ کی والدہ
ابو جہل کی برہمچی کھا کر ہلاک ہوئیں، حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ
 سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے، حضرت حبیبؓ نے سولی پر
 جان دے دی۔ حضرت زیدؓ نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی
احرام بن سلمان اور ان کے ابہتر رقعات نے بیر معونہ پر عقیقہ۔

رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت
 پیا، واقعہ ربیع میں حضرت عامرؓ اور ان کے سات ریتوں کے
 بدن بنو لیمان کے سوتیر اندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے
 شہید ہیں ابن ابی العوجاء کے ۹۹ ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے
 ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت کعب بن عمر غفاری مع اپنے ساتھیوں
 کے ذات اطلاق کے میدان میں شہید ہوئے دنیا کے ایک مشہور
 مذہب کو ایک سولی پر ناز ہے۔ لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی
 سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار ہو کہ برہمچی کی انی، یا سولی کی لکڑی، ہر حال
 یہ ایک آبی تکلیف ہے، اس سے زیادہ استقلال اور اس سے
 زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی
 سینوں میں گرفتار ہیں، جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت
 کے فرش پر آرام کیا اور پتھر کے سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا، جن
 کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں اور حجب پوچھا گیا تو
 وہی محمدؐ کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا شعب ابی طالب کی قید میں تین

برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی، یعنی سعد بن ابی وقاص۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت

سے ایک سوکھا چڑا مل گیا تو اسی کو دھو کر آگ پر بھون کر اور

پانی میں ملا کر کھایا عقبہ بن عمرو ان کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان

تھے، اور غیر فطری غذاؤں کو کھا کھا کر ہمارے منہ رخی سو گئے

خباہت جب اسلام لاتے تو کافروں نے ان کو دیکھتے ہوئے کوٹلوں

پر لٹایا، یہاں تک کہ یہ دیکھتے ہوئے کوٹلے انہی کی بیٹھ کے نیچے

ٹھٹھ سے ہو گئے، بلالؓ دوپہر کی جلتی ریت پر لٹاتے جاتے اور سینہ

پر پتھر کی سل رکھ دی جاتی، ان کے گلے میں رسی باندھی جاتی،

اور گلی گلی ان کو گھسیٹا جاتا، ابو کھیرہؓ کو ان کے پاؤں میں

رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹا گیا، ان کا گلا دبایا گیا، ان کے سینہ

پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی، عمار جلتی ریت کے فرش

پر لٹائے جاتے، اور مارے جاتے، حضرت زبیرؓ کو ان کا چچا

چٹائی میں پیٹ کر ناک میں دھواں دیتا، سعد بن زیدؓ رسیوں

میں باندھ کر پیٹے جاتے، حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے رسی باندھ

کر مارا، یہ مگر یہ سب کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا، وہ اترتا نہ

تھا، یہ کیسا تشہ تھا، یہ ساتی کوثر کے خمنہ جاوید کا تشہ تھا،

عزیزہؓ بن غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی

بت پرست عرب، وہی بد اخلاق عرب ہیں، یہ کیا اطفال

ہو گیا تھا؟ ایک آدمی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل

روشن دماغ اور متقن کیونکر بنا گئی؟ ایک نیتہ پیغمبر کا ولولہ، تبلیغ کس پیرس عبرتوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کرتے زندہ و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا۔ جو خدا کے نام سے بھی آشنائے تھے، وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاقت گزار کیونکر ہو گئے۔ تم نے درس گاہ محمدی یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری برکری، ہر رنگ اور مذاق کے طالب العلم دیکھے، عالم بھی دیکھے مرنے والے دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضی عدالت بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے، راہ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی، اور یہ سب انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں، جو کبھی صدیق و فاروقؓ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورین اور مرتضیٰ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ اور کبھی سعد و جعفر طیار ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمرؓ اور ابو ذرؓ اور سلمانؓ اور ابو ذرؓ ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباسؓ ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی صورت میں علم و فن کی درس گاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلالؓ و صہیبؓ اور عمار و خبیبؓ کی امتحان گاہوں میں تسلی

کی روح اور تسکین کا پیغام بن جاتی تھیں، گویا رسول اللہ صلیم کا وجود مبارک آفتاب عالم تاب تھا، جس سے اور نیچے پہاڑ، ریتلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا، اور قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول، اور پتے جم رہے تھے، اور آگ رہے تھے ان نارنگیوں کے ساتھ اور اس اختلاف استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی، ایک روح تھی، جو سب میں تڑپ رہی تھی، وہ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی استاد ہوں یا شاگرد۔ عابد و زاہد ہوں یا کاروباری غازی ہو یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی رو، قربانی کا دلولہ خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ، اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا، وہ جو کچھ بھی ہوں، اور جہاں بھی ہوں درجہ بھی کر رہے ہوں۔ یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا، راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا، مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسوا، ایک تھا، اور قبلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی۔ خلق کی ہمدردی، خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی

دوستو! میں نے آج کی تقریر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
صفت جامعیت کی نیزنگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں، اگر تم
مطالعہ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں
اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین
رہو کہ محمد رسول اللہ کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخر اور
دائم اور عالمگیر رہنما نہیں سکتا اسی لئے اعلان فرمایا اِنَّ كُنْتُمْ
تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يَّحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو
اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری
پیروی کرو، اگر تم سپہ سالار ہو اور سپاہی ہو تو میری پیروی کرو
اگر استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو، اگر دولت مند ہو تو
میری پیروی کرو اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر بیکس ہو تو
اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم خدا کے عابد ہو تو میری پیروی
کرو اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو، غرض جس نیک راہ
پر بھی ہو اور اس کے لئے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ
چاہتے ہو تو میری پیروی کرو،

۶

عملی پہلو یا عملیت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

صاحبو! محمد رسول اللہ کی پیروی کس چیز میں اور کیونکر کرنی

چاہتے، اس کیلئے آج ہم کو سیرۃ نبوی علی صاحبہا السَّلَام کا
 عملی پہلو دکھاتا ہے، یہ انبیائے کرام اور باننان مذاہب کی موجود
 سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے، لیکن
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے
 اور تنہا ہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سرکار
 اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے، مفید نصیحتوں، سیٹھی سیٹھی
 باتوں باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس کی
 ہے وہ کام عمل ہے، موجودہ مذاہب کے شارعوں اور ہانیوں
 کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھو آؤ، دلچسپ تصویریاں ملیں گی
 وادیز حکایتیں ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی تقریر کا
 زور شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ موثر تمثیلیں
 تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی مگر جو حیر نہیں ملے گی وہ عمل،
 کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے
 انسان کی عمل سیرت کا نام غلو (اخلاق) ہے، قرآن کے
 سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات
 کی کھلی شہادت دی ہے، کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند
 انسان تھا، لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست و دشمن کے
 مجمع میں علی الاعلان کہا۔

(اے محمد) بے شک تیری نزدیکی نہ

ختم ہونے والی ہے اور بے شک تو

بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے،

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ

مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ عَلَىٰ خَلْقٍ

عَظِيمٍ (قلم ۱۰)

یہ دونوں فقرے گونحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں،
لیکن درحقیقت اپنے اشارہ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے
علت و معلول ہیں یعنی دعویٰ اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑہ میں آپ
کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے، اور دوسرے ٹکڑے میں
آپ کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، یعنی آپ کے
اعمال اور آپ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں کہ آپ کے اجر کا
سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا کہ کا امی معلم صلعم بار کر کہتا تھا

لِمَتَقَوُّونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (صفہ)

کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں،

اور اس اعلان کا اس کو حق تھا، کیونکہ وہ جو کچھ کرتا تھا اس
کو کر کے دکھا دیتا تھا، کوہ زیتون کے واغظ (حضرت عیسیٰ مسیح)
اور کوہ صفا کے مبلغ (محمد رسول اللہ) ان دونوں کی سیرتوں کو اس
عملی حیثیت سے پڑھو، اور مطالعہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ ایک کی
سیرت اس سے یکسر خالی ہے، تو دوسری کی سیرت پامعور
قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا اخلاقی ہے، لیکن کسی مغرور، مجبور
یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو اور حلم سے نہیں کی جاسکتی، ایک شخص
نے کسی کو مارا نہیں، کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کے ساتھ برائی نہیں
کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا
لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں، یہ بتاؤ کہ مارا
تو نہیں، لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی، کسی کو قتل نہیں
کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچا یا بھی، کسی کے ساتھ برائی

نہیں کی، لیکن سب کے ساتھ اچھا ہی بھی کی کی، کسی کا مال نہیں
 چھینا، لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لیے گھر نہیں
 بنایا، لیکن کسی گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لئے
 کچھ جمع نہیں کیا، لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی، دنیا
 کو بھی یہ نبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں، اور انہی کا نام
 عمل ہے قرآن پاک گواہی دیتا ہے،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ
 لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ
 فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
 لَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ
 بَسْ خد اکی عنایت سے تم ان کے
 لئے نرم ہو رہے تھے اور اگر تم
 (کہیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے
 تو البتہ یہ لوگ رجوع تمہارا نہ ہوتے
 ہیں، تمہارے ارد گرد سے پھٹ
 جاتے

یہ آنحضرت صلعم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے، جو دعویٰ
 اور دلیل کے ساتھ خود صحیفہ الہی ہیں۔ موجود ہے، کہ اگر آپ
 نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈھ بے خوف اور
 ورشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے، دوسری جگہ
 ارشاد ہے

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ
 عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
 بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ
 تمہارے پاس خود تم میں سے ایک پیغمبر
 آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق
 گذرتی ہے، تمہاری بھلائی کا ڈھب جو کا
 ہے ایمان والوں پر نہایت شفیق اور

(توبہ)

مہربان ہے

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعلم کے ان ترجمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے، جو تمام بنی نوع اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے، چنانچہ فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی جمالت و گنہگاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول پر شاق ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں، وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے، غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلعلم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفقت تھے یہ آپ کے علی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں قرآن پاک، اسلام کے احکام اور آنحضرت صلعلم کی زبان مبارک سے

جو تعلیمات انسان کو پہنچائی گئیں، ان کا مجموعہ ہے بحیثیت ایک علی پغمبر کے آنحضرت صلعلم کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی علی تفسیر ہے جو حکم آپ پر اتارا گیا، آپ نے خود اس کو کر کے بتایا، ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ، اور حسن عمل و حسن خلق کی باتیں، جس قدر آپ نے فرمائیں، ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا، وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا، چند صحابی حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ یا ام المومنین حضور کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے، ام المومنین جواب میں کہتی ہیں کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا

ہے؛ گانِ خلق رسول اللہ صلعم القرآن، آپ کا اخلاقِ قرآن تھا، (ابوداؤد)
 قرآن الفاظ و عبارت ہے اور محمد رسول اللہ صلعم اس کی عملی تفسیر،
 انسان کے اخلاق، عادات، اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف
 کار نہیں ہو سکتا، آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت
 خدیجہؓ کے نکاح کو ۱۵ برس ہو چکے تھے، اور یہ مدت اتنی بڑی ہے جس
 میں ایک انسان دوسرے انسان کے عادات و خصائل اور طور طریقہ سے
 اچھی طرح واقف ہو سکتا ہے، اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر
 پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے، اور ادھر
 حضرت خدیجہؓ کا دل اس کی تصدیق کو آمادہ ہو جاتا ہے، آنحضرت
 صلعم جب نبوت کے بارگراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ متلیکین
 دیتی ہیں، کہ یا رسول اللہ خدا آپ کو برگز تنہا نہیں چھوڑے گا۔ کیونکہ
 آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، مقروضوں کا قرض ادا
 کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے
 ہیں، مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں، (بخاری) غور کیجئے
 یہ آپ کی وہ مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے آپ میں موجود تھیں
 آنحضرت صلعم کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے
 زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں، حضرت عائشہؓ نو برس متحمل آپ کی صحبت
 میں رہیں، وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضور کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے
 کی نہ تھی، آپ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف
 کر دیتے تھے، آپ گناہ کی باتوں سے کوسوں دور رہتے تھے
 آپ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا، آپ نے کبھی کسی غلام، لونڈی

عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا، آپ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا

رشتہ داروں میں حضرت علی سے بڑھ کر کوئی آپ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا، وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے تھے وہ گواہی دیتے ہیں، کہ منہس مکہ طبیعت کے نرم، اور اخلاق کے نیک تھے طبیعت میں مہربانی تھی سنت مزاج نہ تھے، کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے، لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے کسی کی کوئی فرمایش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کر دیتے تھے نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے، واقفکار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ کا منشا کیا ہے، یہ اس لئے تھا کہ آپ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مہم رکھتے تھے کہ آپ رؤف رحیم تھے۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ”آپ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے آپ کے پہلی مرتبہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپ سے ملتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ شاکل ترندی، آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہ یہی خیال انگینڈ کے سب سے مشہور مورخ گبن نے ظاہر کیے۔

آنحضرت صلعم کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے پہلے شوہر

سے صاحبزادہ حضرت ہمنڈ جو گویا آپ کے پروردگار تھے گواہی دیتے ہیں کہ آپ طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے کھانا جیسا سامنے آتا کھا لیتے، اس کو برا نہ کہتے، آپ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے نہ کسی کی دل شکنی گوارہ کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا، تو حق کی طرف داری میں آپ کو غصہ آجاتا تھا اور اس حق کی آپ پوری حمایت فرماتے تھے (شمائل)

یہ آپ کے حق کی ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپ سے بہت نزدیک اور آپ سے بہت زیادہ واقف تھے اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی سیرت مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا

آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں

تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو۔ شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے بھرتے، کھاتے پیتے،

صوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر اہم خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک بد جاری رہتی تھی، آج صبح کی کتابوں کا ایک کثیر حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے، جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں، حصن حصین دو سو صفحوں کا کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی

محبت، عظمت، جلالت، اور خشیت نمایاں ہیں اور جن سے ہر وقت زبان اقدس تر رہتی تھی، قرآن نے اچھے بندوں کی تعریف کی ہے

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَيَّامًا ذُقُوا ذُقُوا؟ جو کھڑے بیٹھے اور اپنے پیلوں پر لیٹے ہر وقت خدا کو بارتے ہیں

یہی آپ کی زندگی کا نقشہ تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں

آپ ہر وقت اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے

آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال کیا تھا عام پیروؤں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ پچھتر وقت نماز پڑھتے تھے، طلوع آفتاب کے بعد اشرق، کچھ اذان

چڑھنے کے بعد چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء، پھر تہجد، پھر صبح عام مسلمانوں پر تو صبح کو دو رکعتیں، مغرب کو دو رکعتیں اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں گویا کل شب دو سو

سترہ رکعتیں ہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز کم و بیش پچاس ماٹھ رکعتیں افرمایا کرتے تھے، پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کا نماز

عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی، مگر آنحضرت صلعم اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے، اور پھر کیسی نماز کہ رات رات بھر کھڑے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا، حضرت عائشہ عرض کرتی ہیں، اللہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں فرماتے اے عائشہ! کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں، یعنی یہ نماز عشیۃ الہی سے نہیں ہے بلکہ محبت الہی اس کا منشا ہے رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ سجدہ کرنا بھول گئے نبوت کے آغاز ہی سے آپ نماز پڑھتے تھے کفار آپ کے سخت دشمن تھے، مگر بایں ہمہ عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے، کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حمل کیا مگر اس پر بھی خدا کی یاد سے باز نہ آئے، سب سے سخت موقع نماز گاہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر و فیر چلتے ہوتے، لیکن اوپر نماز کا وقت آیا، اور ادھر ہر صفیں درست ہو گئیں، بدر کے عہد کے میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذات اقدس خدا کے آگے سجدہ میں ٹھکی ہوئی تھی۔ تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں مٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضا ہوئی، ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا، اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ میں سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپ نے بعد کو نماز ادا کی، اس کے زیادہ یہ کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا، بہت تکلیف تھی، مگر نماز، حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی

قوت جواب دے چکی تھی، مگر دو صحابیوں کے کندھوں کو ہارا دے
 کر مسجد شریف لائے وفات کے تیس دن پہلے جب آپ نے اٹھنے
 کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی،
 اس وقت نماز باجماعت ترک ہوئی

یہ تھا خدا کی عبادت گزاری اور یاد کا عملی نمونہ،

آپ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن
 کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپ کی کیفیت کیا تھی، کوئی ہفتہ کوئی ہینہ

روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا، حضرت عائشہ کہتی ہیں جب آپ روزے
 رکھتے پہ آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے آپ نے
 مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی،
 مگر خود آپ کا یہ حال تھا، کبھی دو دو تین تین دن بیچ بیچ کچھ کھائے
 پیے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے، اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی منہ میں
 نہیں جاتا تھا صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے، تو فرماتے تمہیں سے
 کون سا میری مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے، ہر ہینہ کے ایام
 بیض (۱۳-۱۴-۱۵) میں اکثر روزے رکھتے محرم کے دس دن اور شوال
 کے ۱۱ دن روزوں میں گذرتے، ہفتہ میں دو شنبہ اور جمعرات کا دن روزوں
 میں بسر ہوتا

یہ تھا روزوں کے متعلق آپ کا عملی نقشہ زندگی،

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے
 دکھایا، حضرت صدیق اکبرؓ کی شہادت تمہی چکے ہو کہ انہوں نے کہا در

یا رسول اللہ! آپ قرض داروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔ گو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ، نہ گھربار لٹا دینے کا حکم فرمایا، نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دو لہندہ پر بند کیا بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو

وَمِمَّا زَكَّاهُمْ يُنْفِقُونَ، مگر خود آپ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہو گیا، غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی، مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا، اپنے لئے کچھ نہ تھا۔ وہی فقر وفاقہ تھا، فتح خیبر کے بعد یعنی سٹھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہرات کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا، کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجت کے لئے ترک کر دیا جاتا تھا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے، تمام عمر کسی سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا، کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی چیز سوتی مگر آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے لوگوں نے حکم دیا تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس نے ترک چھوڑا ہو تو اس کے حقدار اس کے وارث ہوں گے۔ ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا: اے محمدؐ یہ مال نہ تیرا ہے، اور نہ تیرے باپ کا ہے میرے اونٹ کو لا دوںے آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کمجوروں سے لے لیا اور اس کے کہنے کو برا نہ فرمایا، خود فرمایا کرتے انا انا قاسم دُخازن واللہ یعطی۔

میں تو باٹھنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں اصل مینے والا تو خدا ہے، حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہا تھا، راہ میں آپ نے فرمایا۔ ابو ذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا، کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے، البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لیے کچھ رکھ چھوڑوں۔“

دوستو! یہ محمد رسول اللہؐ کے صرف خوش نما الفاظ نہ تھے بلکہ یہ آپ کے عزم صادق کا اظہار تھا، اور اسی پر آپ کا عمل تھا، تحریری سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا حنڈانہ آیا، فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے صبح کی نماز کے لیے آپ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب سب ختم ہو گیا تو داس جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا جو داس مبارک پر پڑ گیا تھا۔ ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لاد کر آیا، کچھ قرض تھا وہ ادا کیا گیا، کچھ لوگوں کو دیا گیا، حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کہ بیچ تو نہیں رہا، عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں اس لیے کچھ بیچ رہا ہے فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جاسکتا چنانچہ رات مسجد میں بسر کی، صبح کو حضرت بلالؓ نے آکر بشارت دی کہ ”یا رسول اللہ خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا آپ نے خدا کا شکر ادا کیا، ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آ گئے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا،

بھکوناز میں یاد آیا کہ سوتے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے خیال
ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور کچھ کے گھر میں پڑا رہ جائے،
ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ در ایک دفعہ آپؐ بول اور رنجیدہ اندر تشریف
لائے میں نے سبب دریافت کیا فرمایا ام سلمہؓ اکل جو سات دینار آئے
تھے، شام ہو گئی اور بستر پر پڑے رہ گئے اس سے بڑھ کر یہ ہے
کہ آپؐ مرض الموت میں ہیں، بیماری کی سخت تکلیف ہے نہایت ہی
بے چینی ہے لیکن اس وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی
ہیں حکم ہوتا ہے کہ انہیں خیرات کر دو کیا تمہارے اپنے رب سے اس طرح
ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں،

یہی تھی اس باب میں آپؐ کی زندگی کی عملی مثال،

آپؐ نے زبردقناعت کی تعلیم دی، لیکن اس ماہ میں آپؐ کا طرز
عمل تھا سن چکے ہیں کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج و عشر اور
زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لے چلے آتے تھے، مگر امیر عرب کے گھر میں
وہی فقر تھا، اور وہی فاقہ تھا، آنحضرتؐ صلعم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ
کہا کرتی تھیں کہ حضورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر دو وقت بھی سیر ہو کہ
آپؐ کو کھانا نصیب نہ ہوا، وہی بیان کرتی ہیں کہ جب آپؐ نے وفات
پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لیے تھوڑے سے جو کے سوا
کچھ موجود نہ تھا، اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپؐ کی زرہ ایک بیوی
کے ہاں کے رہن تھی، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ فرزند آدم کو ان چند
چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کو ایک جھونپڑا، تن
دھانکنے کو ایک کپڑا پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی (ترندی)

یہ محض الفاظ کی خوش نما بندش نہ تھی، بلکہ آپ کی طرز زندگی کا عملی نقشہ تھا، رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا، جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، آپ کا کپڑا نہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، یعنی جو بدن مبارک پر کپڑا ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہ کیا جاتا، ایک دفعہ ایک سال خدمت اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ نے ازلہ مطہراتؓ کے پاس کہلا بھیجا، کہ کچھ کھاتے کو ہو تو بھیج دیں، ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ ”گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے“ ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں، ایک دفعہ صحابہؓ نے آپ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک پتھر بندھا ہے، آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک ک بجائے دو پتھر بندھے تھے یعنی دو دن سے فاقہ تھا اکثر بھوک کا وجہ سے آواز میں کمزوری اور نقاہت آجاتی تھی، ایک دن دولت خانہ سے نکلے تو بھوکے تھے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے، وہ نخلستان سے کھجور توڑ لائے، اور کھانے کا سامان کیا، کھانا جب سامنے آیا تو آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ کو بھجوا دو، کئی روز سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے

آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ اور حضرت حسنین علیہم السلام

سے بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت امیر عرب نے بیش قیمت پٹروں اور
سونے چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی ایک دفعہ
حضرت علیؓ کا دریا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا
تو فرمایا، اے فاطمہ! کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمدؐ کی
بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے، حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت
وہ طوق اتار کر پیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام آزاد کیا
اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے تو
اتراوا دیئے، کہ محمدؐ کی بیوی کو یہ ذیبا نہیں، فرمایا کرتے تھے کہ انسان
کے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے، جس قدر ایک مسافر کو زوراء! یہ
یہ قول تھا اور عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ کچھ جاشارٹنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں
چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک نرم
گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا عرض، مجھ کو
دنیا سے اسی قدر تعلق ہے، جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی
دیر کے لئے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے، اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے
سہدہ میں جب اسلام کی حکومت حین سے شام تک بھلی ہوئی تھی، آپ
کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی، جسم مبارک پر ایک تہبند، ایک کھڑی
چارپائی، سربانے ایک تکیہ جس میں خیمے کی چھال بھری تھی، ایک طرف
تھوڑے سے جو، ایک کونے میں ایک جانور کی کھال، کھونٹی میں پانی
کے مشکیزے،

یہ تھانہ ہر وقتااحت کی تعلیم کے ساتھ اس پر آپ کا عمل،
دوستو! ایشاکا وعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا مگر

کیا کسی ایثار کے وعظ کہنے والے کے صحیفہ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے، اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی، آپ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا، حضرت فاطمہؓ سے آپ کو جو محبت تھی وہ ظاہر ہے، مگر انہی حضرت فاطمہؓ کا عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا، کہ چکی پیتے پیتے تھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے، ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر، پدر بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی، ارشاد ہوا: ”اے فاطمہؓ، اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے، تو تمہاری درخواست کیونکر قبول؟ ایک دفعہ آپ کے پاس چادر نہ تھی، ایک صحابیہ نے لاکر پیش کی، اسی وقت ایک صاحب نے کہا کیسی اچھی چادر ہے، آپ نے فوراً اتار کر ان کے ہمد کردی ایک صحابیؓ کے گھر کوئی تقریب تھی مگر کوئی سامان نہ تھا، ان سے کہا عائشہؓ کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاسو، وہ گئے اور جا کر آئے، حالانکہ آپ کے گھر میں اس آٹے کے سوا رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا، ایک دن صفہ کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاقہ جوڑنی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ تھا، کوئی اور خیر طلب کی، تو چھوڑا رے کا حیرہ پیش ہوا پھر پیالہ میں دودھ آیا مگر یہی سامانِ مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی،

یہ تھا ایثار اور اس پر عمل،

خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول

اللہ میں دیکھو حکم تھا کہ **وَاصْبِرْ كَمَا صَبَدَا وَلَوْ الْعَزْمُ مِنَ التَّوَسُّلِ**
 جس طرح اولعزم پیغمبروں نے صبر و استقلال دکھایا تو بھی دکھانا آپ نے وہی
 کر کے دکھایا، آپ ایک ایسی جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے
 تھے، جو اپنے معتدات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی، اور اس
 لیے سونے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی، مگر آپ نے اس کی کبھی پروا نہ کی
 عین حرم میں جا کر توحید کی آواز بلند کرتے تھے، اور وہاں سب کے
 سامنے نماز ادا کرتے تھے، حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی
 نشست گاہ تھا، آپ ان کے سامنے کھڑے ہو کر رکوع و سجود کرتے
 تھے، جب یہ آیت **كَأَصْدَعِ يَهَا بُؤْمَرُ** اسے محمد جو تم کو حکم دیا جاتا
 ہے اس کو علی الاعلان سنا دو، نازل ہوئی، تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے
 ہو کر تمام قریش کو پکارا، اور خدائے برحق کا حکم پہنچایا،

قریش نے آپ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں
 پہنچائیں، جسم مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر
 ڈال کر بھانسی دینے کی کوشش کی راستہ میں کانٹے بچھائے، مگر آپ
 کے قدم کو راہ حق سے لغزش نہ ہوئی تھی نہ ہوئی ابوطالب نے
 جب حمایت سے ہاتھ اٹھا لینے کا اشارہ کیا تو آپ نے کس جوش اور ولولہ
 سے فرمایا کہ **”چچا جان! اگر قریش میرے واسطے ہاتھ پر آفتاب اور**
بائیں ہاتھ پر مانتاب بھی رکھ دیں تب بھی اس فرض سے باز نہ
آؤں گا“ آخر آپ کو نبی ہاشم کے پہاڑی درہ میں تین سال تک
 قید رکھا گیا، آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا آمد غلہ جانے
 کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، جو ان درخت

مکے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے، آخر آپ کے قتل کی سازش ہوئی، یہ سب کچھ ہوا، مگر صبر و استقلال کا سررشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں، بے یار و مددگار تھے محمد صلعم اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، ابو بکر گھبرا اٹھتے ہیں، کہ یا رسول اللہ ہم دو ہیں، لیکن ایک تسکیں سے بھری ہوئی آواز آتی ہے ابو بکرؓ ہم دو نہیں تین ہیں لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا، گھبراؤ نہیں ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے لئے سراقد بن جحشم نیزہ ہاتھ میں لئے گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں، یا رسول اللہ! ہم پکڑ لئے گئے، مگر وہاں محمد رسول اللہ کے لب بدستور قرآن خوانی میں مصروف ہیں، اور دل کی سکنت کا وہی عالم ہے

مدینہ پہنچ کر یہود کا منافقین کا اور قریش کے غارت گروں کا ڈر تھا لوگ آنحضرت صلعم کے مسکن کا راتوں کو پہرا دیتے تھے، کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰهُ يَفْصِلُ بَيْنَ النَّاسِ، یعنی خدا تمہارے لوگوں سے بچائے گا، اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر بہرے کے سپاہیوں سے فرمایا، لوگو واپس جاؤ مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لے لی ہے

غزوہ نجد سے واپسی میں آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں، صحابہ ادمہ ادمہ ہٹے گئے ہیں، ایک تلوار کھینچ کر سامنے آگئے

آپ بیدار ہوتے ہیں ، موقع کی نزاکت کو دیکھو ، بدو پوچھتا ہے
بتاؤ اسے محمدؐ! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے ، اطمینان
اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے ، کہ اللہ ! اس پُراثر جواب
سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے ، اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے ،

یدر کا معرکہ ہے ، تین سو نہتے مسلمان ایک ہزار لوہے ہیں غرق
قریشی لشکر سے نبرد آزما ہیں ، مگر ان تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار
خود کہاں ہے ؟ معرکہ کارزار سے الگ خدا کی بارگاہ میں دست بدعا
ہے ، کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے ، اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب
اٹھتے ہیں ، کہ خدا دندا ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفیہ عالم سے مٹ
گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا

ایسے موقعے بھی آئے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور
پیچھے ہٹ گئے مگر خدا کی نصرت اور مدد پر اعتماد تھا اور کامل بھروسہ
رکھنے والا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ قائم رہا ، آٹھ میں اکثر مسلمانوں کے
قدم اکھڑ گئے مگر محمد رسول اللہ اپنی جگہ پر قائم رہا ، تیروں تلواروں اور
تیروں کے حملے ہو رہے تھے ، خود کی کٹیاں مبارک میں دھنسن گئیں
تھیں ، دندان مبارک شہید ہو چکا تھا ، چہرہ اقدس زخمی ہو رہا تھا مگر
اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا ، بلکہ غلبہ کی نصرت
پر بھروسہ اور اعتماد رہا ، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا
تھا ، عین کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب سینہ برسا
تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے ، مگر ذات اقدس اپنی
جگہ پر تھی ، ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی ، اور ادھر سے

انا للہی لا کذب - انا ابی عبد المطلب - میں پیغمبر ہوں
 جھوٹ نہیں ہے ، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں ، کا نعرہ بلند تھا ،
 سواری سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں خدا کا بندہ اور پیغمبر

ہوں اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے ،

عزیز و بہنیں کسی اور ایسے سپر سالاد کا حال بھی معلوم ہے جس کی بہادری
 اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو کتنی ہی غیر مسلح ہو اور
 اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو ، مگر وہ نہ تو اپنی جان
 کے بچانے کے لئے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے بھاگتا ہے اور نہ
 اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتا ہے بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں میں سے مسلح
 ہو کر آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے ۔

یہ تھی اس راہ میں آپ کی عملی مثال !

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ مستنا ہو گا ، لیکن اس کی
 عملی مثال ہمیں دیکھی ہوگی آؤ مدینہ کی سرکار میں میں تم کو دکھاؤں
 مکہ کے حالات چھوڑتا ہوں ، کہ میرے نزدیک محکومی ، بیگسی اور معذوری
 عفو و درگزر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے ، ہجرت کے وقت قریش
 کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں جو محمد کا سر قلم کر لاتے اس کو سوتا
 اونٹ انعام دیئے جائیں گے ، سراقہ بن جشم اس انعام کے لالچ
 میں مسلح ہو کر آپ کے تعاقب میں گھوڑا ڈالتا ہے ، قریب پہنچ
 جاتا ہے ، حضرت ابو بکرؓ گھبرا جاتے ہیں ، حضور دعا کرتے ہیں تین دفعہ
 گھوڑے کے پاؤں دھنسی جاتے ہیں ، سراقہ تیر کے پانے نکال کر

قال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا بیچا نہ کرو، نفسی، یعنی سائیکو لاجیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکتا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے، حضور کو آواز دیتا ہے، اور حفظ دامن کی درخواست کرتا ہے، کہ جب حضور کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، آپ یہ امان نامہ لکھوا کر اس کے حوالہ کرتے ہیں، فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لاتا ہے، تاہم آپ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اس دن کے جرم کی اب کیا سزا ہو

ابوسفیان کون ہے، وہ جو بدر، اُحد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا جس نے کتنے مسلمانوں کو تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور سرور عالمؐ کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ کے سامنے آتا ہے، تو گو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے مگر رحمتِ عالم کا عفو عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں، محمد رسول اللہ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں، پھر حضور نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں، بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں من دخل دار ابی سفیان کان امانا۔ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے

ہند ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو احد کے معرکہ میں اپنی بہیلیوں کے ساتھ گاگا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضور کے سب سے محبوبہ چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے،

کلیجہ کو نکال کر جیانا چاہتی ہے ، لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں ، وہ فتح کے نقاب پوش سامنے آتی ہے ، اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتا لیکن حضور پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے ہیں اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے کیوں کیا ، غور عام کی اس مجرا میں مثال کو دیکھ کر وہ ہلاکتی ہے ، اے محمد! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمے مجھے نفرت نہ تھی لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کاڑھے محبوب نہیں ہے وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل ، فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے ، اور جب وہ مقام بھی فتح ہوا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی ، لوگ کہتے ہیں ، دقتی تم نے ابھی محمد کو پہنچانا نہیں ، تمہارے لئے خود محمدؐ کے آستانے بڑھ کر کوئی دوسری جائے امن نہیں ہے ، وحشی حاضر ہو جاتا ہے ، حضور دیکھتے ہیں آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں ، پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آ جاتا ہے ، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں ، قاتل سامنے موجود ہے ، مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے ، وحشی جاؤ میرا منہ نہ آیا کرو ، کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے

عمرہ ، اسلام ، مسلمانوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن یعنی ابو جہل کے بیٹے تھے ، جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں وہ خود بھی اسلام کے خان لڑائیاں لڑ چکے تھے کہ جب فتح ہوا تو ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے ، وہ بہاگ کر مین چلے گئے ، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں ، اور محمد رسول اللہ

کو پہچان چکی تھیں، وہ خود میں گئیں، مگر مرد کو تسکین دی، اور ان کو
لے کر مدینہ آئیں، حضور کو ان کی آمد کی خبر ہوتی ہے تو ان کے خیر
مقدم کے لئے اس تیزی سے اٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک
نہیں رہتی، پھر جوش سرت میں فرماتے ہیں مرحباً بالوالب المہاجز
اسے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک! غور کرو! یہ مبارک باد کس کو دی
جا رہی ہے، یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو عطا ہو رہا
ہے، اس کو جس کے باپ نے آپ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں
پہنچائیں، جس نے آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے
محالبت نماز آپ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی
جس نے دارالندوہ میں آپ کے قتل کا مشورہ دیا، جس نے بدر کا
معرکہ برپا کیا، اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا، آج اسی کی جہانی
یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی

مبارک بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت کی صاحبزادی
حضرت زینبؓ کا قاتل ہے، اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے،
مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون حلال کیا جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بھاگ
کر ایران چلا جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا در دولت پر حاضر ہوتا
ہے اور کہتا ہے، یا رسول اللہ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا
لیکن پھر مجھے حضور کا رحم و کرم اور عفو و علم یاد آیا، میں حاضر ہوں
میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ کو ملیں ہیں وہ سب درست ہیں
اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور دوست و
دشمن کی تیراٹھ جاتی ہے،

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار گمیں بچھا کر مدینہ آتا ہے، اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دے، کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے، آپ کے پاس لایا جاتا ہے، اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے، مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے

صفوان بن امیہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپ کے قتل کے لئے بھیجا تھا، اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں فتح مکہ کے بعد ڈر کر جدہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن پہنچ جائے، وہی عمیر خدمت نبوی میں اگر عرض کرتے ہیں، کہ یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے ارشاد ہوتا ہے اس کو امان ہے اگر دوبارہ گزارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے، آپ اپنا عمامہ اٹھا کر دے دیتے ہیں، عمیر یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں، صفوان کہتا ہے ”مجھے محمد کے پاس جانے میں اپنی جان کا خوف ہے“ (عمیر جو ذہر میں تلوار بچھا کر محمد رسول اللہ کو مارنے گئے تھے، صفوان سے کہتے ہیں، اے صفوان! ابھی تم کو محمد کے حکم اور عفو کا حال معلوم نہیں ہے، صفوان آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے،

کیا یہ سچ ہے، ارشاد ہوتا ہے سچ ہے، پھر کہتا ہے، لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کر دوں گا، مجھے دو مہینے کی مہلت دو آپ فرماتے ہیں تمہیں دو مہینے چاکر مہینے کی مہلت ہے لیکن یہ مہلت بھی ختم نہیں ہونے پاتی کہ دفعۃً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے، اور مسلمان ہو جاتا ہے

آپ خبر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے، لڑائیاں ہوتی ہیں، شہر فتح ہوتا ہے، ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ بلا پس و پیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے، اس میں زہر ملا ہوتا ہے، آپ گوشت کا ٹکرا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ کو اطلاع ہو جاتی ہے، یہودیہ بلائی جاتی ہے، وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے، لیکن رحمت عالم کے دربار سے اس کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہتا ہے،

غزوہ نجد کے واپسی کے وقت آپ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دوپہر کا وقت ہے، آپ کی تلوار درخت سے ٹک رہی ہے، صحابہ ادھر ادھر درختوں کے سایہ میں لیٹے ہیں کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدو تاک میں رہتا ہے، وہ اس وقت سیدھا، آپ کے پاس آتا ہے، درخت سے آپ کی تلوار اٹارتا ہے پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے، کہ آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے، وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے، ”محمد! بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے۔“ ایک پڑا اطمینان صدا آتی ہے کہ ”اللہ!، اس غیر متوقع جواب کی پس منظر

وہ مرعوب ہو جاتا ہے، تلوار نیام میں کر لیتا ہے، صحابہؓ آ جاتے ہیں بدویٹھ جاتا ہے اور آپ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں ایک دفعہ ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے، کہ یہ قتل کے لیے آپ کی گھات میں تھا وہ سامنے پہنچتا ہے تو آپ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، آپ اس کو تسلی دیتے، میں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے انزوہ مکہ میں انسی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا، جو جیل تنعیم سے آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا ان کو چھوڑ دو،

دوستو! طائف کو جانتے ہو، وہ طائف میں نے مکہ کے عہد میں آپ کو پناہ نہیں دی، جس نے آپ کی بات بھی سننی نہیں چاہی، جہاں کے رئیس عبدیلیل کے خاندان نے آپ سے استہزاء کیا، بازار یوں سے اشارہ کیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹے پڑے، اور دور دورے ہو گئے اور جب آپ بیچ سے گزرے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے، یہاں تک کہ پائے سیارک زخمی ہو گئے، دونوں بونیاں خون سے بھر گئیں جب آپ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، انکرت صلعم کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے ایک دن دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! تم لڑیں آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون آیا، تو آپ نے اسی طائف کا حوالہ دیا تھا،

سُورہ میں مسلمانوں کی نوح اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے، قلعہ نہیں قلع ہو تا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں، آپ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پرجوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بدعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں، خداوند طائف کو ہدایت کر اور اسلام کے آستانہ پر جھکا دوستو! یہ کس شہر کے حق میں دعائے خیر ہے، وہی شہر جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے آپ کو زخمی کیا تھا، اور آپ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا،

اُمد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں آپ نزعہ اعداء میں ہوتے ہیں آپ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہو رہے ہیں دندان مبارک شہید ہو جاتا ہے خود کی ٹریاں سر مبارک میں گڑ جاتی ہیں چہر مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے، اس حالت میں بھی آپ کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں، وہ قوم کیسے نجات پائے گی، جو اپنے پیغمبر کے قتل کے ورپے ہے۔ خداوند امیری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں، یہ سے، تو اپنے دشمن کو پیار کر کے زیتونی و عطا بد عمل! جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے

وہی ابن عبد یاسیل جس کے خاندان نے طائف میں آپ کے ساتھ یہ مظالم کئے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے تو آنحضرت صلعم اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اتارتے ہیں ہر روز

نماز عشا کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں ، اور لہنی رنج بھری کہ
 کی داستان سناتے ہیں ! کس کو اس کو جس نے آپ پر پتھر برسائے
 اور آپ کو ذلیل کیا تھا یہ تھے تو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کرتے
 کہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں ، کس حرم کے صحن میں جہاں آپ
 کو گالیاں دی گئیں ، آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں ، آپ کے قتل کرنے کی کڑ
 منظور ہوئی قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے ، ان میں وہ بھی ہیں
 جو اسلام کے سنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے وہ بھی آپ کو جھٹلا
 کرتے تھے ، وہ بھی تھے جو آپ کی بھوس کہا کرتے تھے ، وہ بھی تھے جو آپ
 کو گالیاں دیا کرتے تھے وہ بھی تھے جو خود اس بیکر قدسی کے ساتھ گستاخ
 کا حوصلہ رکھتے تھے ، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے آپ کے
 راستے میں کانٹے پچھائے تھے ، آپ پر تلواریں چلائی تھیں وہ بھی نہ
 جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا ، ان کے سینے چاک
 کیے تھے اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کتے تھے وہ بھی تھے جو غریب
 اور بیکس مسلمانوں کو ستاتے تھے ، ان کے سینوں پر اپنی جھاکاری کی آٹھ
 مہر سی لگاتے تھے ، ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے دھکتے کوٹلوں سے
 ان کے جسم کو داغتے تھے ، تیزوں کی انی سے ان کے بدن چھیدتے تھے
 آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں
 محمد رسول اللہ کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں ، دفعۃً زبان مبارک کھلتی ہے
 سوال ہوتا ہے ، قریش ! بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں
 جواب ملتا ہے ، محمد تو ہمارا شریف بھائی ، اور شریف بھتیجا ہے ، ارشاد

ہوتا ہے، آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا، کہ لَا تَشْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ اِذْ هَبُوا فَاَنْتُمْرُ الْظُلَمَاءُ جو تم سب آزاد ہو

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا، اور معاف کرنا، یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم، جو صرف خوش یانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں، بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل میں کرنا ہر ہوتی ہے

یہی نکتہ ہے، جس کے باعث تمام دوسرے مذہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے بیٹھے بیٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اور بار بار انہی کو دہراتے ہیں، کہ ان کے سوا ان کے پاس کوئی چیز نہیں، اور اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں، بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے، محمد رسول صلعم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا

تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ مَعَهُ
میں تم میں دو مرکز تھیں چھوڑ جاتا ہوں
خدا کی کتاب اور عملی راستہ

یہی دونوں مرکز تھیں اب تک قائم ہیں اور تاقیامت قائم رہیں گے
اسی لئے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ رُغُودٌ تَهَارَةً لِّفِي خَدَاكَ رَسُولُكَ
اَسْوَأُ حَسَنَةً
زندگی میں بہترین پیروی ہے

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ نمونہ، اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے

کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے، طریقہ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے صَلُّوا کَمَا دَرَأْتُمُوہِ تم اس طرح خدا کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو

بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لَآخِئِدٍ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لَآخِئِہِہِ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے

جو اپنے بیوی بچوں کے لئے سب سے اچھا ہے اور میں اپنے بیوی بچوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں، آخری حج کا موقع ہے شمع نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے۔ انسانوں کو خدا کا آخری پیغام سنایا جا رہا ہے، عرب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے، مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور علی مثال ہی ہر قدم پر پیش کی جا رہی ہے، فرمایا

آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیے گئے، یعنی تم سب

ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کرو، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن عارض کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کیے جاتے

ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا سودی سودا توڑتا ہوں

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آب و ہوا ہے، وہ غلط اور قابل اصلاح رسوم و رواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے ان کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمت گویا بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبرائی کے ہم معنی ہے۔ اسی لئے ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی

کسی ملکی رسم و رواج کی عملی اصلاح کی جرأت مشکل سے کرتے ہیں، ہمدرد علم نے
 لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی۔ عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے
 جاتے تھے، آپ نے مساوات، اخوت انسانی اور جنس انسانی کی برابری
 کی عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا فرزند متبنی بنایا۔ عرب میں قبائل کی
 باہمی شرافت کی زیادتی و کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی لپٹے سے
 کم رتبہ پر تلوار چلاتا آر سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک
 نہ کر دے۔ لیکن جب آپ نے یہ اعلان کیا کہ ”اے لوگو! تم سب آدم کے
 بیٹے ہو۔ اور آدم مٹی سے بنا تھا۔ کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر
 عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، تم میں افضل وہ ہے
 جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“ تو اس تعلیم نے
 دفعۃً بلند و پست، بالا و زیر، اعلیٰ و ادنیٰ، آقا و غلام سب کو ایک سطح پر
 لا کھڑا کر دیا، لیکن ضرورت تھی، عملی مثالوں کی یہ مثال خود آپ نے پیش کی
 اپنی پھوپھی زاد بہن کو جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں، اپنے غلام سے بیاہ
 منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا، تو سب سے پہلے زید بن حارثہ
 زید بن حارثہ کہلائے۔ منہ بولے بیٹے کی مطلق بیوی سے نکاح کرنا عرب میں
 ناجائز تھا، مگر چونکہ یہ محض ایک عقلی رشتہ تھا، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق
 نہ تھا اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور غمراہیوں کی بنیاد عربوں میں قائم
 ہو گئی تھی، اس لیے اس کا توڑنا ضرور تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لیے عملی مثال
 پیش کرنا، انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا، جو سب سے مشکل کام
 تھا، پیغمبر عرب نے آگے بڑھ کر خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہ کی مطلق بیوی حنظلہ
 زینب سے شادی کر لی، جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اور

بقی کی بیہودہ رسم سے ملک نے نجات پائی،

واقعات کی اتہا نہیں ہے مثالوں کی کمی نہیں ہے، مگر وقت محدود ہے

اور آج میں نے شاید سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا ہے

میرے دوستو! میرے معارفات کی روشنی میں آدم سے لے کر عیسیٰ تک

شام سے کرہندوستان تک، ہر ایک تاریخی انسان کی مسلمانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو، کیا ایسی علی ہدایتوں اور کامثالوں کا کوئی نمونہ کہیں نظر آتا ہے

حاضرین چند لفظ اور!

بعض شیریں بیان واعظ اثرانہ پیرا یہ میں اپنے "خداوند" کی ربانی محبت

اور الہی عشق کا تذکرہ کرتے ہیں، گہری کے مقولہ کے مطابق کہ "درخت اپنے پھل سے

پہنپانا جاتا ہے"، اس پاک عشق اہل کا کیا اثران کی زندگی میں نمایاں تھا، غریب

کے دعویدار محبت کی سیرت پر مھو اہل گذرتی ہیں، دنیا سوتی ہے، اور اس کی

آنکھیں جاگتی ہیں، ہاتھ خدا کے آگے پھیلتے ہیں، زبان تہذیب حمد گارہی ہے، دل بیہودہ

میں بے تاب تڑپ رہا ہے اور انہوں سے آنسوؤں کے تار جاری ہیں، کیا محبت

کی یہ تصویر ہے یا وہ؟

حضرت عیسیٰؑ سولی پر چڑھیں تو بے تابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں

اے میرے خداوند! اے میرے خداوند! تو نے مجھ کو کیوں پھوڑ دیا، لیکن

محمد رسول اللہؐ جب موت کے بستر پر ہوتے ہیں، اور زندگی کی آخری سانسیں لیتے

ہوتے ہیں تو زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے

اے میرے خداوند! اے میرے بہترین ساتھی! ان دونوں فقرات میں سے

کس میں محبت کا فائقہ، عشق کی پاشنی اور ربانی سکینت کا لطف ہے

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ۝

پیغمبر اسلام علیہ السلام کا بیعت نام

حضرات! میں نے پچھلے چھ لکچروں میں دلائل اور تاریخ کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانوں کے تمام بلند طبقوں میں سے صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتیں تقلید اور پیروی کے لائق ہیں، اور ان میں سے عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی سیرت ہے، اس مقام پر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی عالم گیر اور دائمی نمونہ ہیں تو سوال ہوتا ہے کہ ان کی عالمگیر اور دائمی تعلیم کیا ہے؟ وہ دنیا کو کیا پیغام دینے آئے؟ اور کیا پیغام دے کر دنیا سے تشریف لے گئے؟ ان کے پیغام کے وہ کون سے ضروری اجزاء ہیں جن کے ادا کرنے کے لئے اس پیغمبر آخر الزمان کی ضرورت پیش آئی؟ دنیا میں دوسرے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو پیغام آئے ان کی کس طرح اس آخری پیغام نے تصحیح اور تکمیل کی؟

ہم کو تسلیم ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً انبیا کے ذریعہ سے پیغام آتے رہے مگر جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے اور واقعات کی روشنی میں دکھایا جا چکا ہے وہ تمام پیغام کسی خاص زمانہ اور قوم کے لئے آئے اور وقتی تھے، اور اس لئے ان کی دائمی حفاظت کا سامان نہ ہوا، ان کی اصل برباد ہو گئی، مدتوں کے بعد مرتب کیے گئے اور ان میں تحریفیں کی گئیں، ان کے ترجموں میں کچھ بگاڑ یا، ان کی تاریخی سند کا ثبوت نہیں باقی رہا، بہت سے جعلی پیغام ان میں شریک کئے گئے، اور یہ سب چند سو برس کے اندر ہو گیا اگر خلد کا کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے، تو ان کا مٹنا اور برباد ہو جانا ہی ان کے وقتی فرمان اور عارضی تعلیم ہونے کا

ثبوت ہے۔ مگر جب پیغام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا، لکیر اور دائی ہو کر آیا اور اسی لئے وہ جب سے آیا اب تک پوری طرح محفوظ ہے اور رہے گا، کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی نیا پیغام آنے والا نہیں ہے

نے گزشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی ہے اور اس کی حفاظت میں ہوں دنیا کے تمام وہ صحیفے جو گم ہو چکے، ان کا گم ہو جانا ہی ان کے وقتی اور عارضی ہونے کی دلیل ہے اور جو ہر وہی ان کی ایک ایک آیت تلاش کر لو، ان کی تکمیل اور ان کی حفاظت کے درجے متعلق ایک حرف نہ پاؤ گے بلکہ اس کے خلاف ان کے نقص کے اشارے اور پریس میں گی حضرت موسیٰ کہتے ہیں کہ خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے ماتم ایک نہی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دہو (استثنا، ۱۸) میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تمہارا ایک نہی برپا کر دے گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا وہ اب ان سے کہے گا (استثنا ۱۸-۱۹) یہ برکت تہی جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے ہن سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے ہر طلوع ہوا اور قارآن کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ہوگی (استثنا ۲۳-۲۴)

ان لوہ کی آیتوں میں تورات یہ صاف بتا رہی ہے کہ ایک اور نبی موسیٰ کے مثل آنے والا ہے جو اپنے ساتھ ایک آتشیں شریعت بھی لائے گا، اور اس کے منہ میں خدا اپنا کلام بھی ڈالے گا اس سے بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰ کا پیغام آخری اور دائی نہ تھا

اس کے بعد اشعیا، بنی ایک اور رسول کی خوشخبری سننے ہیں جس کی

شریعت کی راہ دریائی مالک اور جزیہ تک رہے ہیں۔ (باب ۴۰) ملاخہ
میں ہے دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا، بنی اسرائیل کے دیگر صحیفوں اور
زبور میں بھی آئیدہ آنے والوں کی بشارتیں ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی
اسرائیلی صحیفہ دائمی اور آخری اور مکمل نہیں تھا
انجیل کو دیکھو وہ اعلان کرتی ہے

اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا افارقلیط
بخشنے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ (یوحنا ۱۴-۱۵)

لیکن وہ افارقلیط روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔
وہ ہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو کچھ میں نے تمہیں کہی ہیں تمہیں
یاد دلانے گا، (یوحنا ۱۴-۲۴)

میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب ان کی برداشت
نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی
کی راہ بتائے گی، کیونکہ وہ اپنی نہ کہے گی بلکہ جو کچھ سنے گی وہ کہے گی۔ (یوحنا ۱۶-۱۷)
ان آیتوں میں انجیل نے صاف اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کا آخری کلام نہیں،
اور نیز یہ کہ وہ کامل بھی نہیں، ایک اور آتے گا جو مسیح کے پیغام کی تکمیل کہے گا
مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اپنے بعد کسی اور آنے والے کا پیغام نہیں دیتا

جو نیا پیغام سنائے گا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام میں کوئی نقص ہے جس کو دور
کر کے وہ اس کو کامل کریگا بلکہ وہ اپنی تکمیل کا آپ دعویٰ کرتا ہے

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي، (مائدہ - ۱)
اور تم پر پوری کر دی اپنی نعمت

اور بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء یعنی نبوت کے سلسلہ کو بند کرنے والے

ہیں وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ خود قرآن نے کہا ہے اور خاتم النبیین (اور میری ذات سے انبیاء ختم کیے گئے) حدیث نے کہا ہے، (م باب المساجد) الا لَا نَبِيَّ بَعْدِي رہنما کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، متعدد حدیثوں میں ہے۔ آپ نے فرمایا "میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں، قرآن نے اپنے مہذب کسی آیت میں کسی بعد میں آنے والے پیغام بانی کیلئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے اس لئے معلوم ہوا کہ صرف وہی پیغامبر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا آیا، خدا کا آخری اور دائمی پیغام ہے، اور اسی لئے قَاتِلَهُ الْكَافِرُونَ کے وعدے سے خدا نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے

دوستو! اس کے بعد سوال یہ ہے کہ پیغام محمدی کے سوا کوئی اور پیغام الہی بھی عالمگیر ہو کر آیا؟ بنی اسرائیل کے نزدیک دباہوت بنی اسرائیل سے عبارت ہے، خدا صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ اسی لئے اسرائیل کے انبیاء اور صحیفوں نے کبھی غیر بنی اسرائیل تک خدا کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اب تک بھی یہودی مذہب اور موسوی شریعت بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ تمام صحیفوں میں صرف انہی کو خطا کیا گیا ہے، اور ان کو ان کے خاندانی خدا کی طرف ہمیشہ ملتفت کیا گیا ہے حضرت عیسیٰ نے بھی اپنا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھٹیروں تک محدود رکھا اور غیر اسرائیلی کو پیغام سنا کر "بچوں کی روٹی کتوں کو پھینک دینا" کی رہنمائی کے وید بھی آریوں کے کانوں نہیں پہنچ سکتے، کہ ان کے علاوہ تو تمام دنیا مشرک و بدعتی اور وہاں یہ تاکید ہے کہ اگر وید کے شبہ شور کے کانوں میں پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا جائے

پیغام محمدی دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے، جو کالے گورے، عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، رنگ و فرنگ، سب کے لیے عام ہے جس طرح ہمارے

خدا تمام دنیا کا خدا ہے، الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، تمام دنیا کا پروردگار ہے، اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، تمام دنیا کے لئے رحمت ہے، اور اس کا پیغام بھی تمام دنیا کیلئے پیغام ہے۔

اِنَّهُوَ الَّذِي يُزِيلُ الْعُلَاقَ، (انعام ۱۰۱) وہ نہیں ہے مگر نصیحت تمام دنیا کے لئے

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ والی کتاب اتاری، تاکہ وہ تمام دنیا کو

بُشِّرَ بِهِ، (فصل ۱۰۱) وہ خدا کہ اسی کی

ہو شیار کرنے والا ہو۔ وہ خدا کہ اسی کی

ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی

آپ تمام دنیا کے نذیر ہو کر آئے، جہاں تک خدا کی سلطنت ہے وہاں

تک آپ کی پیغامبری کی وسعت ہے، سورۃ اعراف میں ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ

کہدے اے لوگو! میں تم سب کی طرف (اس)

اللہ کا رسول ہوں، جس کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ،

دیکھو، اس میں بھی پیغام محمدی کی وسعت ساری کائنات تک بتائی گئی ہے

اس سے زیادہ یہ کہ جہاں تک اس پیغام کی آواز پہنچ سکے، سب اس کے دائرے میں ہے

میں ہے

وَاَوْحٰی اِلٰی هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِاَنْذِرْكُمْ

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ

اس سے میں تم کو ہوشیار کروں اور جس تک

یہ پہنچے اس کو (ہوشیار کروں)

اور ہم نے نہیں بھیجا تم کو راے محمد، لیکن تمام

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً

اور بالآخر:

لَتَنَاسُوا شَيْئًا وَتَذَيَّرُوا، انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور
(سببا) ہوشیار کرنے والا (بنا کر)

ان حوالوں سے یہ امر پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ سارے مذہبوں میں
صرف اسلام نے اپنے دائمی اور آخری اور کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے
صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ سے پہلے تمام انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی
طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کو اپنا بھیجا گیا ہوں۔ یہ ہمارے دعویٰ کا مزید
ثبوت ہے اور تاریخ کی عملی شہادت ہی تائید میں ہے۔ الغرض کہنا یہ ہے کہ
پیغام محمدی بھی اسی طرح کامل، دائمی اور عالمگیر ہے۔ جس طرح اس پیغام کے لانے
والے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل، دائمی اور عالمگیر ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کامل و دائمی و عالمگیر پیغمبر کا آخری، دائمی
اور عالمگیر پیغام کیا ہے جس نے تمام مذاہب کی تکمیل کی، اور ہمیشہ کے لئے خدا
کے دین کو مکمل اور خدا کی نعمت کو تمام کر دیا۔

ہر مذہب کے دو جزو ہیں، ایک کا تعلق انسان کے دل سے اور دوسرے
کا انسان کے باقی جسم اور مال و بدن سے ہے پہلے کو ایمان اور دوسرے کو عمل
کہتے ہیں، عمل کے تین حصے ہیں۔ ایک خدا سے متعلق ہے جس کو عبادات کہتے ہیں
دوسرا انسان کے باہمی کاروبار سے متعلق ہے جس کو معاملات کہتے ہیں اور جن کا
بڑا حصہ قانون ہے تیسرا انسان کے باہمی تعلقات اور روابط کی بجائے آدمی سے
ہے اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ غرض ان ثلاث، عبادات، معاملات اور اخلاق
مذہب کے یہی چار جزو ہیں، اور یہ چار جزو پیغام محمدی کے ذریعے سے تکمیل کو
پہنچے ہیں

توراة اور انجیل میں عقائد کا حصہ اہل ناصات اور غیر واضح ہے اس میں خلل

کے وجود اور توحید کا بیان ہے، لیکن دیلوں اور شرعوتوں سے معرا۔ خدا کی صفات جو اصل میں روح انسانی کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں، اور جن کے ذریعہ سے خدا کی معرفت اور محبت ہو سکتی ہے، نہ توراۃ میں ہیں اور نہ انجیل میں۔ توحید کے بعد رسالت ہے، رسالت اور نبوت کی حقیقت، وحی، الہام و مکالمہ کی تشریح، انبیائے کرام کی حیثیت انسانی، انبیاء کا ہر قوم میں ہونا، انبیاء کے فرائض، انبیاء کو کس حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیئے، انبیاء کی مصومیت، ان تمام مسائل سے پیغام محمدیؐ سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں۔ جزا و سزا، دوزخ و جنت، حشر و تشریفات و حیاتِ آخرت۔ توراۃ میں ان کے نہایت دھندلے سے نشانات ہیں۔ انجیل میں ایک یہودی کے جواب میں ان اہم امور کے متعلق ایک دو فقرے ملتے ہیں ایک دو فقرے جنت و دوزخ کے متعلق بھی ہیں اور بس۔ لیکن پیغام محمدیؐ میں ہر چیز صاف اور مفصل موجود ہے

فرشتوں کا تخیل توراۃ میں بھی ہے مگر بالکل ناصاف کبھی کبھی خدا کے واحد اور فرشتوں میں یہ تمیز شکل ہو جاتی ہے کہ توراۃ میں خدا کا ذکر ہو رہا ہے یا فرشتوں کا انجیل میں ایک دو فرشتوں کے نام آتے ہیں۔ وہاں روح القدس کی حقیقت اس قدر مشتبہ ہے کہ نہ اس کو فرشتہ کہہ سکتے ہیں نہ خدا یا یوں کہو کہ اس کو فرشتہ بھی کہہ سکتے ہیں اور خدا بھی۔ لیکن پیغام محمدیؐ میں ملائکہ اور فرشتوں کی حقیقت بالکل واضح ہے اس میں ان کی حیثیت مقرر کر دی گئی ہے ان کے کام بتا دیے گئے ہیں۔ خدا سے پیغمبروں سے اور کائنات سے ان کا تعلق کھول کر بتا دیا گیا ہے

یہ تو وہ تکمیل ہے جو عقائد اور ایمانیات میں پیغام محمدیؐ نے کی ہے اب آیتے عملیات کا امتحان لیں عملیات کا پہلا حصہ عبادات ہے، توراۃ میں قربانی کی طویل بحث اور اس کے شرائط و آداب کی بڑی تشریح ہے روزوں کا

بھی ذکر آیا ہے دعائیں بھی کی گئی ہیں، بیت ایل یا بین اللہ کا بھی نام آتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں اس قدر مختل ہیں کہ ان پر لوگوں کی نظر بھی نہیں پڑتی، اور وہ ان کے انکار کی طرف مائل ہیں، پھر تہ عبادات کی تقسیم ہے، اور ان کے طریقے اور آداب بتائے گئے ہیں۔ نہ ان کے اوقات کی صاف صاف تعیین کی گئی ہے، اور خدا کی یاد اور دعاؤں کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے، نہ کوئی دعا بندہ کو سکھائی گئی ہے۔ زبور میں خدا کی دعائیں اور مناجاتیں بکثرت ہیں، مگر عبادات کے طریقے، آداب، اور دیگر شرائط کا پتہ نہیں۔ انجیل میں عبادات کا بہت کم بلکہ بالکل ذکر نہیں ہے ایک جگہ حضرت عیسیٰ کے چالیس دن کے فاذ کر ہے، اس کو روزہ کہہ لو۔ یہودیوں کا یہ اعتراض بھی انجیل ہی میں ہے کہ کیوں تیرے شاگرد روزے نہیں رکھتے؟ سولی والی رات میں دعا کرنے کا ذکر ہے، اور وہیں ایک دعا بھی سکھائی گئی ہے، مگر اور عبادات کا دہاں نشان نہیں، لیکن اسلام کے پیغام میں ہر چیز صاف اور مفصل ہے۔ نماز، روزہ، حج کے آداب و شرائط عبادات کے طریقے، خدا کے ذکر اور یاد کی دعائیں اور موثر باتیں نماز کے اوقات، روزے کے اوقات، حج کے اوقات، ہر ایک کے احکام اور خدا کے حضور میں بندوں کے عجز و زاری، دعا و مناجات، گناہوں کے اقرار اور توبہ و ندامت اور عہد و معہد کے باہمی راز و نیاز کی وہ وہ تعلیمیں دی گئی ہیں روح کی غذا ہیں، جو دلوں کی گہریں کھولتی ہیں، جو انسانوں کو خدا تک پہنچاتی ہیں۔ جو مذہب کی روح کو مجسم کر دیتی ہیں

عمل کا دوسرا حصہ معاملات یا مملکت و مائت کے قوانین کا ہے، یہ حصہ حضرت موسیٰ کے پیغام میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور پیغام محمدیؐ نے ان کو بڑی حد تک قائم رکھا ہے، لیکن ان قوانین کی سختی کم کر دی ہے، اور

ایک قومی قانون کے تنگ دائرہ سے نکل کر اس کو عالمگیر قانون کی حیثیت دے دی ہے، اور اس حیثیت سے جن تکمیلی اجزاء کی ضرورت تھی ان کا اضافہ کیا ہے۔ زبطہ انجیل اس شریعت اور قانون سے بالکل غالی ہیں، طلاق و نذرہ کے متعلق ایک حکم انجیل میں البتہ ہیں، باقی صفر، مگر عالمگیر اور دائمی مذہب کی ضرورتوں کی کفالت کے لئے مملکت اور معاشرت کے قوانین کی حاجت تھی، اور چونکہ پیغام عیسوی ان سے خالی تھا اس لئے دیکھو کہ عیسائی قوموں کو یہ چیزیں بت پرست یونانی اور رومی قوموں سے قرض لیتی پڑیں۔ پیغام محمدی نے ان میں سے ہر ایک حصہ کو پوری نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا، اور ایسے اصول اور قواعد کلیہ بتائے جن سے وقتاً فوقتاً ائمہ مجتہدین اور علماء رشتی نئی ضرورتوں کیلئے مسائل نکال نکال کر پیش کرتے ہیں اور کم از کم ایک ہزار برس تک اسلام نے دنیا میں جو شہنشاہی کی، اور سیکڑوں تمدن اور مہذب سلطنتیں قائم کیں، ان سب کا اسی قانون پر عمل درآمد رہا اور اب بھی اس سے بہتر قانون دنیا پیش نہیں کر سکتی

عمل کا تیسرا حصہ اخلاق ہے تورات میں اخلاق کے متعلق چند احکام پائے جلتے ہیں، ان میں سے سات اصولی احکام ہیں جن میں والدین کی فرمانبرداری کی ایک ایجابی تعلیم کے سوا باقی ٹھنسی تعلیمیں ہیں، تو خوں مست کر، تو چوڑی نہ کر، تو زنا نہ کر، تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے، تو اپنے ہمسایہ کی جود کو مست چاہ تو اپنے ہمسایہ کے مال کا لالچ نہ کر، ان میں سے چھٹا حکم چوتھے میں، اور ساتواں تیسرے میں داخل ہے اس لئے چار ہی اخلاقی احکام رہ گئے

انجیل میں بھی انہی احکام کو دہرایا گیا ہے اور مجلہ دوسروں کے ساتھ محبت کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے، جس کو تورات کے احکام پر ایک اضافہ کہہ سکتے

لیکن پیغام محمدی نے اس قطرہ کو دریا کر دیا ہے سب سے پہلے اس نے اپنے
اصولی احکام متعین کیے جو سراج میں ربانی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے اور
اسرائیل میں مذکور ہیں۔ ان بارہ میں سے گیارہ انسانی اخلاق، اور ایک توحید
متعلق ہے، گیارہ میں سے پانچ سلبی ہیں اور پانچ ایجابی اور ایک سلبی و ایجابی کا بار

ماں باپ کی عزت اور فرمانبرداری کر، جن کا تجھ پر حق ہے، ان کا احترام
قیمت سے اچھا برتاؤ کر، تپ تیل، ترازو اور پیانہ ٹھیک رکھ، اپنا وعدہ پورا
کر، کہ تجھ سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی، یا پانچ ایجابی باتیں ہیں۔ تو اپنی اولاد اٹل
نہ کر تو تاحق کسی کی جان نہ دے، زنا کے قریب نہ جا، انجان بات کے پیچھے نہ پل،
زمین پر غرور نہ کر، یہ پانچ سلبی باتیں ہیں اور ایک حکم سلبی و ایجابی کا مجموعہ،
فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال اور نیچ کی راہ اختیار کر، نفس انہی اصولی احکام کا نابلد
سے واضح ہوا ہوگا کہ پیغام محمدی کیونکر تکمیلی پیغام ہو کر آیا ہے، اس نے ان
ان اصولی احکام کو بتایا اور مکمل کیا ہے، بلکہ اخلاق کی ایک ایک گروہ کو مکمل
کی ایک ایک قوت کا مصروف بتایا، اس کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا، اور
ایک ایک بیماری کی تشخیص کی اور اس کا علاج بتایا ہے

یہ عمل "کی وہ تکمیل تھی جو پیغام محمدی کے ذریعہ سے انجام پائی
اسلامی تعلیمات کے وسیع دائرہ کو اگر ہم دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو
ہم ان کو ایمان اور عمل صالح کے دو لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، ایمان اور عمل
دو چیزیں ہیں جو ہر قسم کے محمدی پیغام پر حاوی ہیں اور قرآن پاک میں انہی دونوں
پر انسانی نجات کا مدار ہے یعنی یہ کہ ہمارا ایمان پاک اور مستحکم ہو اور عمل نیک و صالح
ہو، اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے، اور ہر جگہ
کھول کھول کر بیان کیا ہے، کہ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عمل صالح پر ہوگی

ہے میں چاہتا تھا کہ ان دونوں اصولی مسئلوں کو پوری تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں، مگر افسوس کہ یہ موقع نہیں ہے کہ یہاں ان کی پوری تفصیل پیش کی جاسکے، اس لیے اس وقت پیغام محمدی کا صرف وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے، جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دنیا کی غلطیوں کی اصلاح کی، اور دین ناقص کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا۔ اور ان اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دور کیا، جن کی بنا پر انسانیت صد درجہ پستی اور گمراہی میں تھی، اور وہ غلطیاں ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھیں۔ ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا مسئلہ جو پیغام محمدی کے ذریعہ سے سامنے آیا وہ کائنات اور مخلوقات الہی میں انسانیت کا درجہ ہے، اور یہی توحید کی جڑ ہے اسلام سے پہلے انسان اکثر مخلوقات الہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا تھا، وہ سخت پتھر اونچے پہاڑ، بہتے دریا و سرسبز درخت پرستے پانی، دہکتی آگ ڈراؤنے جنگل زہریلے سانپ و گارتے شیر، دودھ دیتی گائے چمکتے سورج، درخشاں تاروں کالی راتوں، بھیانک صورتوں، غرض دنیا کی ہر اُس چیز کو جس سے وہ ڈرتا تھا، یا جس کے نفع کا خواہش مند تھا، پوجتا تھا، اور اس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکا دیتا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں بلکہ تم ان کے آقا ہو۔ وہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں، تم ان کے لئے پیدا نہیں کئے گئے وہ تمہارے آگے بھکی ہیں تم کیوں ان کے آگے جھکتے ہو اے انسان! تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو اس لئے یہ ساری مخلوقات اور کائنات تمہارے زیر فرمان کی گئی ہے۔ تم اس کے زیر فرمان نہیں کئے گئے وہ تمہارے لئے ہے تم اس کے لئے نہ ہو

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ
جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ ۲۸)
وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلِیْفَہٗ
(یاد کرو) جب میرے خدا نے فرشتوں سے کہا
تھامیں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں
اور اسی (خدا) نے تم کو زمین میں اپنا نائب

فِي الْأَرْضِ: (انعام - ۲۰) بایا ہے

اسی نیابت اور خلافت نے آدم اور اولادِ آدم کو سب مخلوقات میں عزت اور بزرگی بخشی، وَلَهَذَا كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اور ہم نے یہ تحقیق اور بلا شک و شبہ، آدم کی اولاد کو بزرگ بتایا اب کیا یہ بزرگ ہو کر اپنے سے پست تر کے آگے سر جھکائے۔

اسلام نے انسانوں کو یہ سمجھایا کہ ساری دنیا تمہارے لیے بنائی گئی ہے
الْعَرِشَ آتَى اللَّهُ سَخَّرَ لَكُمْ مَنَافِي (۹)
ہاں ہم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے جو کچھ زمین
میں ہے سب تمہارے بس میں دیدیا ہے
هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَنَافِي الْأَرْضِ
اکی نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے
جَمِيعًا، (بقرہ - ۳) بایا۔

جانور تمہارے لیے پیدا ہوئے ہیں
وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ اور جانوروں کو پیدا کیا، تمہارے لئے ان کے
وَمَنَافِعُ (نحل - ۱) ان میں گرمی اور دوسرے فائدے ہیں

بارش اس سے اگنے والی سبزیاں اور درخت تمہارے لئے ہیں
هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اسی خدا نے آسمان سے تمہارے لئے
لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَقَدْ تَجَدَّدَ فِيهِ اِنی اتارا، اس میں سے کچھ تم پیتے ہو اور
تَسْمُونَ وَيُخْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزُّرُوعَ کچھ سے درخت اگتے ہیں، جس میں جانور
وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابُ ہراتے ہو۔ وہی (خدا) تمہارے لئے کھیتی اور
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (نحل - ۲۰) زیتون اور چھوہارے اور انگور اور قسبم کے پھل
اگتا ہے

رات، دن، پاند، سورج اور آگ سب تمہارے لئے ہیں۔

وَسَجِّرَ لَكُمْ اَيْلَانَ وَالتَّهَارَ وَالشَّجَرِ
وَالْقَمَرِ وَالنَّجْمِ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِ
اور اس نے رات اور دن اور چاند اور سورج
کو تمہارے لئے کام میں لگایا، اور ستارے اس
کے حکم سے کام میں لگے ہیں (نحل - ۲)

دریا اور اس کی روانی بھی تمہارے لئے ہے

وَهُوَ الَّذِي يَخْرِجُ لَكُمْ مِزَاجَ الْمَاءِ
وَهُوَ الَّذِي يَخْرِجُ مِنْهُ حَبْلَةً
لَكُمْ لَبَنٌ طَرِيٌّ وَتَسْتَحْمِلُ مِنْهُ حَمْلِيَةً
تَلْبِسُونَ نَهَاوً تَرَى الْفَلَكَ مَوَازِيرَ
فِيهِ وَتَلْتَبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ (نحل)

اور وہی (خدا ہے) جس نے دریا کو کام میں لگایا
ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ اور اس سے
آرائش کے موقی پہننے کو نکالو۔ اور تم دیکھتے
ہو کہ کشتیاں سمندر کو بھاٹتی چلتی ہیں اور تاکہ تم
خدا کی مہربانی کو ڈھونڈ سکو، اور شاید کہ تم اس کا شکر کرو

اس معنی کی بہت سی اور آیتیں قرآن پاک میں ہیں، عارف شیراز نے اسی
مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے

ابرو باد و مرغ و شید و فلک در کاند تا تو نازے بخت آری و بغلت نخوری

ان آیتوں کے ذریعے سے پیغامِ محمدیؐ نے یہ واضح کر دیا کہ انسان کائنات
کا سرتاج ہے، وہ خلافتِ الہی سے مستاز ہے، وہ خلقِ کائنات کا مقصود ہے۔ اور
لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَجَعَلْنَا مِنْكُمْ آدَمَ وَنُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ
وَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ نَحْنُ عَلِيمُونَ کہ انسان کے لئے کائنات کے کسی مظهر یا مخلوق کے آگے سر جھکانا جائز ہے ؟
اور اس کے آگے خاک پریشانی رکھنا مناسب ہے ؟

تاوان انسانوں نے خود ایک دوسرے کو بھی خدا بنایا تھا، چاہے وہ اُتار
بن کر آئے ہوں، یا تختِ جبروت پر قدم رکھ کر فرعون و نمرود و شہنشاہ بنے ہوں
یا تقدس کا لبادہ اوڑھ کر قیسیں و اہب کہلائے، یا پوپ اور عالمِ دین و پیش بن کر
اپنے کو معبود منوانا چاہا ہو۔ یہ بھی انسانیت کی تحقیر تھی۔ پیغامِ محمدیؐ نے اس کو
جڑ سے کاٹ دیا

وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُهُمْ آدْرِبًا لِآخَرٍ ۚ
بَيْنَ دُونِ اللَّهِ (آل عمران) خدا کو چھوڑ کر

یہاں تک ایوں کو بھی رہا نہیں کہ وہ یہ کہیں
کُونُوْا عِبَادًا لِّیْ حَیْثُ دَانَ اللَّهُ (آل عمران) خدا کو چھوڑ کر میرے بند سے ہو جاؤ۔

آنکھوں سے پوشیدہ ہستیوں میں فرشتے، اور آنکھوں کے سامنے
کی ہستیوں میں انبیا سب سے بلند ہیں، مگر وہ بھی انسان کا معبود نہیں ہو
سکتے۔

وَلَا یَاْمُرُوْكُمْ اَنْ تَکْفُرُوْا بِالْحَنِیْکَۃِ
وَالسَّیِّئَاتِ اَدْبَابًا (آل عمران) اور وہ خدا یہ حکم نہیں دیتا کہ فرشتوں
اور نبیوں کو رب بناؤ۔

الغرض انبیا کا درجہ پیغام محمدی کے ذریعہ اتنا بلند ہو گیا کہ اس کی
پیشانی سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں نہیں جھک سکتی، اور اس کے
ہاتھ اس ایک کے سوا کسی اور کے آگے نہیں پھیل سکتے، جس سے وہ لینا چاہے
اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور جس کو وہ دینا چاہے اس سے کوئی نہ نہیں سکتا
وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی
الْاَرْضِ (آل عمران) اور وہی آسمان میں خدا ہے، اور وہی زمین
میں خدا ہے

اَلَا لَهُ الْخُلُوْقُ وَاَلَا کُوْنٌ (آل عمران) ہاں اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا
اِنَّ الْحُکْمَ اِلَّا لِلّٰهِ (آل عمران) حکومت صرف خدا کی ہے

لَعَزَّیْکُمْ لَہٗ شَرٌّ یَّکُ الْخُلُوْقُ (آل عمران) اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں
اس پیغام لمبی کو سامنے رکھ کر ذرا توحید کے مسئلہ کو سمجھو تو معلوم ہوگا
کہ علاوہ اس کے کہ انسان نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا، توحید کی
حقیقت کو بھی کس لڑکھوا، دیا ہے، یہاں ”خدا“ کے ساتھ کوئی ”دقیصر“

نہیں ہے، جو کچھ ہے اسی خدا کا ہے، قیصر کا کچھ نہیں، اسی کی حکومت ہے، اسی کی سلطنت ہے، اور اسی کی فرمانروائی ہے، اسی کا ایک حکم ہے، جو فرش سے عرش تک اور زمین سے آسمان تک جاری ہے

عزیزو! اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ ایک انسان اس نشہء خلافت سے سرست ہو کر کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھا حیرا ہو یا روشنی ہوا ہو یا پانی، بادشاہ ہو یا دشمن، جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک صحیح مسلمان کا دل خدا کے علاوہ کسی سے ڈر سکتا ہے اور کسی ہستی کی پرہیز کر سکتا ہے؟

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اصولی اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ، اور اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نقش ہے، وہ خود انسان ہی ہے، جو اپنے اچھے برے عمل سے فرشتہ یا شیطان یعنی بے گناہ یا گناہ گار بن جاتا ہے، اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے، یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے، جو بنی نوع انسان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدیعہ ملی، چین، برما، اور ہندوستان کے تمام مذاہب آداگون اور تنازع کے چکر میں مبتلا ہیں۔ یونان کے بعض بے وقوف حکیم بھی اس خیال سے متفق ہیں۔ مگر اس وہم نے انسانیت کو بے کار کر دیا، اور اس کی بیٹھ پر بڑا بھاری بوجھ رکھ دیا ہے، اس کے ہر عمل کو دوسرے عمل کا نتیجہ بنا کر اس کو مجبور کر دیا، اور اس کی ہر زندگی کو دوسری زندگی کے ہاتھ میں دے دیا ہے اس عقیدہ کے مطابق کسی انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہی اس کی گناہ گاری کی دلیل ہے عیسائی مذہب نے بھی انسانیت کے اس بوجھ کو کم نہیں کیا، بلکہ اور بڑھا دیا ہے عیسائی مذہب نے یہ عقیدہ تعلیم کیا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ آدم کی گنہگاری کے

سبب سے موروٹی طور پر گنہگار ہے، خواہ اس نے ذاتی طور پر کوئی گناہ نہ کیا ہو۔
 اس لئے انسانوں کی بخشائش کے لئے ایک غیر انسان کی ضرورت ہے جو موروٹی
 گنہگار نہ ہو۔ تاکہ وہ اپنی جان دے کر بنی نوع انسان کے لئے کفارہ ہو جائے۔
 لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر غمزدہ انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی
 کہ تم کو بشارت ہو کہ تم نہ اپنی پہلی زندگی اور کرم کے انہوں مجبور دنا چار ہو۔ اور
 نہ اپنے باپ آدم کے گناہ کے باعث فطری گنہگار ہو، بلکہ تم فطرۃ پاک و صاف
 اور بے عیب ہو، اب تم خود اپنے عمل سے خواہ اپنی مائے اور باپ کی کو برقرار رکھو
 یا نجس و ناپاک بن جاؤ۔

وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ
 وَهَذَا الْبَلَاءُ الْأَمِينُ، لَقَدْ خَلَقْنَا
 الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ
 أَسْفَلَ سَافِلِينَ، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (تین)

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور
 اس امن والے اثر کی (کہ) البتہ ہم نے انسان
 کو بہترین اعتدال پیدا کیا، پھر ہم اس کو نیچے
 سے نیچے پہنچا دیتے ہیں، لیکن وہ جو ایمان لائے
 اور جنہوں نے نیک عمل کئے

انسانوں کو پیغام محمدی کی یہ بشارت ہے کہ انان بہترین حالت، بہترین
 اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا ہے، لیکن وہ اپنے عمل کی بنا پر نیک و بد ہو جاتا ہے
 خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّيْنَاهَا ۖ
 فَإِنَّهَا فَجُورُهَا وَتَقْوَاهَا ۖ
 وَقَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۖ وَ
 قَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (شمس)

قسم ہے نفس کی اور اس کے ٹھیک بنائے
 جانے کی، پھر ہم نے سمجھ ویدی اس کو بدی اور
 نیکی کی، تو کا رہے وہ جس نے اس (نفس) کو پاک
 رکھا اور ناکام راہ جس نے اس کو میل کر دیا
 انسانیت کی فطری پاکی کے لئے اس سے زیادہ صاف پیغام اور کیا چاہیے

سُورَةُ وَدَّهِرٍ مِّنْ پَهْرَتَا هِ

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَعَجَلْنَا سَمِيعًا

بَصِيرًا إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ

إِمَّا شَاكِرًا ۖ إِنَّمَا كَفَّوْا سَرَاه

(دھڑا)

سُورَةُ الْفَطَارِ مِیْنَ هِ

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِبَنِيكَ

الَّذِي نَسَمَ الَّذِي سَخَلَكَ فَسَوَّاه

فَعَدَلَكَ فِي أُنْثَىٰ صُورَةٍ مَّا شَاءَ

رَحْمَتِكَ ۖ (الفطار)

ہم نے انسان کو ایک بوند کے لچھے سے پیدا
کیا، ہم پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا ہم نے
اس کو ستادیکھا (انسان) ہم نے اس کو سوچھا
دی راہ، اب وہ یا حق مانتا ہے اور یا ناشکر
ہے

اسے انسان کلب سے دھوکے میں پڑا تو اپنے
بخشش والے رب کے متعلق جس نے تجھ کو پیدا
کیا، پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا
جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی زبان میں دین اور فطرت ایک ہی معنی کے
دو لفظ ہیں، اصل فطرت دین ہے، اور گنہگاری انسان کی ایک بیماری ہے جو باہر سے
آتی ہے، قرآن مجید کہتا ہے

سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم
رکھ، وہی اللہ کی فطرت، جس پر اس نے لوگوں
کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں
یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت لوگ نہیں
جانتے۔

فَاوْمَ وَجَّهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا
فُطِرْتَ لِلَّهِ الَّتِي فُطِرَ النَّاسُ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ
الدِّينُ الْقَيُّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرِ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ (روم)

پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنے ایک پیغام میں اس آیت پاک کا مطلب پورے
طویل پر واضح کر دیا ہے، بخاری تفسیر سورہ روم میں ہے کہ آپ نے فرمایا اَمَّا مَنِ ثَمَّ

يُؤَدُّهُ اِلَّا عَلَى الْفِطْرَةِ كَوْنِي بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر نہیں ہوتا، لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جس طرح راہ نور اصل میں صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ وہ جتنا ہے یہ کہہ کر اپنے پھر اوپر کی آیت پڑھیں

ظہور کرد اس پیغام محمدی نے بنی نوع انسان کو بڑی خوشخبری سنائی ہے اور انسان کے دائمی غم کو کس طرح مسرت سے حل دیا۔ اور ہر انسان کو اپنی زندگی کے عمل میں کس طرح آزاد بنا دیا ہے

۳۔ ظہور محمدی سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی کھرانوں میں بیٹی ہوئی تھی لوگ ایک دوسرے سے نا آشنا تھے، ہندوستان کے رشیوں اور مہینوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لئے کوئی جگہ رکھی تھی، ان کے نزدیک پر مشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی ہوتا تھا، خدا کی رہنمائی عطیہ صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کے لئے ہوتا تھا زردشت خاک پاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سناتا تھا، بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں جانتے تھے، یہ پیغام محمدی ہی ہے، جس نے یورپ، افریقہ، اتر، دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنی، اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لئے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر ہے، ہر جگہ اہل کے پیغام کی بانسری بجی، اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چھا،

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَقْنَاهَا نَفْسًا وَّجُودًا

اور نہیں ہے کوئی قوم مگر یہ کہ اس میں گزر

چکا ایک ہمارے والے

(فاطر)

اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (درعد)

اور ہم نے تجھ پہلے کئے رسول ان کی

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا

الیٰ قَوْمِ مِصْرَ، (روم) کی اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجے۔

ایک یہودی اپنی قوم سے باہر کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتا، ایک عیسائی کے لیے بنی اسرائیل کے یاد دہانے کے رہنماؤں کو تسلیم کرنا ضروری نہیں اور ایسا کرنے سے اس کے پچھے عیسائی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا، ہندو دھرم کے لوگ آریہ دھرم کے باہر خدا کی کسی آواز کے قائل نہیں، ایران کے زرتشتی کو اپنے ہاں کے سوا دنیا ہر جگہ اندھیری معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا پیغام ہے کہ ساری دنیا ایک ہی خدا کی مخلوق ہے، اور خدا کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں۔ ایران ہو یا ہندوستان، چین ہو یا یونان، عرب ہو یا کشمیر ہر جگہ خدا کا نور یکساں چمکا، جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی، خدا نے اپنے مقاصد بھیجے، اپنے رہنما اتارے، اور ان کے ذریعہ اپنے احکام سے سب کو مطلع فرمایا

اسلام کو، اس تعلیم کا نتیجہ ہے، کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک دنیا کے تمام پیغمبروں پر پہلی آسمانی کتابوں پر، اور گزشتہ ربانی انسانوں پر یقین نہ رکھے، جن جن پیغمبروں کے قرآن میں نام ہیں، ان کو نام بنام اور جن کے نام نہیں معلوم، یعنی قرآن نے نہیں بتائے ہیں وہ کہیں بھی گزرے ہوں اور ان کے جو نام بھی ہوں ان سب کو سچا اور راستہ باز ماننا ضروری ہے، مسلمان کون ہیں

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ)

جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اسے محمد تم پر
اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا

پھر سورۃ بقرہ کے بیچ میں فرمایا

وَلِكِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ أَمِنْ بِاللَّهِ وَلْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالْ

لیکن نیکی اس کی ہے جو خدا پر اور قیامت
کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور

لَنُيْتِيَنَّ، (بقرہ) تمام نبیوں پر ایمان لایا

اسی سورۃ کے آخر میں ہے کہ پیغمبر اور اس کے پیرو۔

كُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ

سب ایمان آئے خدا پر اور اس کے فرشتوں

وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ہم

مِنْ رُّسُلِهِ (بقرہ)

اس کے رسولوں پر باہم فرق نہیں کرتے

یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ بعض پر ایمان لائیں، اور میں پر نہیں، تمام مسلمانوں

کو حکم ہوتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ

اے ایمان آگئے والو! ایمان لاؤ خدا پر اور

وَرُسُلِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰی

اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر

رُسُلِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي اُنْزِلَ مِنْ

جو اس نے پہنچا کر پڑھنا، اور اس کتاب

قَبْلُ (نساء: ۱۳۰)

پر جو پہلے آگئی تھی

عزیزو! دنیا کی اس روحانی مساوات، انسانی اخوت و برادری، اور تمام

سچے مذہبوں رہنماؤں اور پیغمبروں کے اس حقیقی باب و تعظیم اور ان کی یکساں

صلابت کا سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کس نے دیا ہے، اب بتاؤ

کہ پیغمبر اسلام کی رحمت عام ہمدی اور روادری کا دائرہ کتنا وسیع ہے کہ اس سے

انسانوں کی کوئی بستی اور بنی آدم کا کوئی گھرانہ خالی نہیں

ہم: تمام مذہبوں نے عباد و معبود اور خداوند کے درمیان واسطے قائم

کر رکھے تھے، قدیم بت خانوں میں کا، سن اور پہاڑی تھے، یہودیوں نے بنی لای

اور ان کی نسل کو خدا اور بندہ کے درمیان عبادتوں اور بانیوں میں واسطہ بنایا تھا

عیسائیوں نے بعض حواریوں اور ان کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ وہ جو زمین پر

باندھیں گے وہ آسمان پر باندھا جائے گا، اور جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر

کھولا جائے گا، ان کو تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا، ان کے

بغیر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی، ہندوؤں میں برہمن خاص خدا کے داہنے ہاتھ کے پیدا ہوئے ہیں۔ خدا اور بند کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔ ان کی وساطت کے بغیر کوئی ہندو عبادت نہیں ہو سکتی۔ مگر اسلام میں پوجاریوں کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی جانت نہیں ہے یہاں پریسٹ کلاس کا وجود نہیں یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف خدا کو ہے یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ کو ہے، عید و معبود اور خدا اور بندہ کی عبادت اور لاز و نیاز میں کسی غیر کا دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے، نماز کا امام ہو سکتا ہے، قربانی کر سکتا ہے نکاح پڑھا سکتا ہے، مذہب کے تمام مراسم بجالا سکتا ہے، یہاں انسان کو اُدْعُوْی اٰلِیَّیْنِ لَکُمُ اَسَ لَوْ کُنتُمْ اَعْلَمُ بِلَاوِاسطہ مجھے پکارو، میں تم کو جواب دوں گا۔ کی صدا سے عام ہے ہر شخص اپنے خدا سے باتیں کر سکتا ہے، اپنی دعاؤں میں اس کو پکار سکتا ہے اس کے آگے جھک سکتا ہے، اور دل کی عقیدت کے نذرانے بے واسطہ پیش کر سکتا ہے یہاں عید اور معبود اور خدا جیدہ کے درمیان کوئی متوسط اور ذیل نہیں یہ سب بڑی آزادی ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا ہوتی، یعنی یہ کہ خدا کے معاملہ میں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ملی، ہر انسان اپنا آپ کاہن، پریسٹ پوپ اور برہمن ہے

۵۔ انسانوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں ان کے متعلق ابتداء سے قوموں میں حد درجہ عقیدت مندی کی افراط تفریط رہی ہے افراط یہ تھی کہ نادانوں نے ان کو خود خدا یا خدا کا مثل، یا خدا کا روپ اور منظر ٹھہرایا بابل، اسیریا، اور مصر کے ہیکلوں میں کاہنوں کی شان مثل خدا کی نظر آتی ہے، ہندوؤں میں وہ ادتاس کے رنگ میں مانے جاتے ہیں، بودھوں اور جینیوں نے اپنے اپنے بودھوں اور مہا بیروں کو خود خدا تسلیم کر لیا، عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا، دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو

پیشین گوئی کر سکتا تھا، نبی اور پیغمبر تھا، ایک نبی کی اُمت کے لئے اتنا ہی کافی تھا، کہ وہ پیشین گوئی کرتا ہے، خواہ وہ گنہگار ہو، اٹل حیثیت سے قابل اعتراض ہو، خدا کی نگاہ میں اس کا کیسا ہی درجہ ہو، اس کا نیک اور معصوم ہونا بھی ضروری نہ تھا، اسی لئے بنی اسرائیل کے موجودہ صحیفوں میں بڑے بڑے پیغمبروں کے متعلق ایسی حکایتیں ملتی ہیں جو حد درجہ لغو اور بیہودہ ہیں

اسلام نے اس منصبِ عظیم کی صحیح حیثیت مقرر کر دی اور بتایا کہ انبیاء خدا ہیں نہ خدا کے مثل ہیں، نہ خدا کے اوتار ہیں، نہ خدا کے بیٹے اور رشتہ دار ہیں، وہ آدمی ہیں اور محض آدمی ہیں، وہ بشر ہیں، اہلِ عالم بشریت کے جامہ میں ہیں، تمام انبیاء بشر تھے، اور آخری پیغمبر نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں کفار تعیب سے کہتے تھے :-

”کیا بشر رسول؟“

اسلام نے کہا، ہاں !

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ
کہہ دے اے پیغمبر! تمہاری ہی طرح بشر ہوں
میں نہیں ہوں البی بشر رسول :-

خدا کے کارخانے کی کوئی چیز بالذات انبیاء کے اختیار میں نہیں، ان کو بالذات کسی مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں انہوں نے جو کیا وہ خدا کے اذن و اشارہ سے ۔

دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ گوانسان اور بشر ہیں، لیکن اپنے کلمات کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں، خدا سے مکالمہ کرتے ہیں، ان پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں تاکہ گنہگاروں کیلئے نمونہ بنیں ان کے ہاتھوں سے خلا اپنے ان اور شاہ سے اپنی

قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے، وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں، ان کی عزت و تعظیم اور اطاعت سب پر فرض ہے، وہ خدا کے خاص سپہی اور مطیع بندے ہیں، جن کو خدا تعالیٰ اپنی رسالت اور پیغمبری کے منصب سے سرفراز کرتا ہے۔ یہ بے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغام محمدؐ کی نئی انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کی نسبت قائم کی ہے، جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے، اور اس کے مذہب کے مناسب ہے، جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی دوستو! آج کی مجلس نے طول پکڑا، ابھی کہنے کی بہت کچھ باتیں ہیں

شب آخر گشتہٴ و افسانہ از افسانہ می نینزد

انشاء اللہ آئندہ مزید معروضات پیش کر دوں گا۔ رات زیادہ گئی ہے، اس لئے اب آج کی مجلس اس دائمی کامل اور عالمگیر معلم کے درود و سلام پر ختم ہوتی ہے

پیغام محمدی

دوستو! آج میری اور آپ کی یک ماہ ملاقات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، آج میری تقریر کی آٹھویں قسط ہے، میں نے چاہا تھا کہ ان دو اخیر تقریروں میں اسلام کے بنیادی امور کے متعلق تمام باتیں آپ کے سامنے پیش کر دوں مگر

صد سال می تو ان سخن از زلفت یا ربست

مسئلہ توحید کے متعلق تمام پہلے مذاہب میں جو حقیقت میں توحید ہی کا پیام ہے اس دنیا میں آئے تھے۔ تین اسباب سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں، ایک جسمانی تشبیہ و تمثیل، دوسرے صفات کو ذات سے الگ اور مستقل ماننا، اور تیسرے افعال و نیرنگی سے دھوکا کھانا، پیغام محمدی نے ان گمراہوں کو کھولا۔ ان غلط فہمیوں کو دور کیا اور حقیقتوں کو واضح کیا سب سے پہلے تشبیہ و تمثیل کو لیجئے،

۱۔ خدا کو۔ خدا کی صفات کو، اور خداوندہ کے باہمی تعلق کو واضح کرتے کے لئے خیالی یا مادی تشبیہیں اور تمثیلیں، دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے ایجاد کیں، نتیجہ یہ ہوا اصل خدا تو جاتا رہا، اور اس کی جگہ تشبیہیں اور تمثیلیں خدا بن گئیں، انہی تشبیہوں اور تمثیلوں نے مجسم ہو کر بتوں کی شکل اختیار کر لی، اور بت پرستی شروع ہو گئی، خدا کو اپنے بتوں کے ساتھ جو لطف و کرم، اور محبت اور پیار ہے اس کو تشبیہ و تمثیل کے رنگ میں ادا کر کے مجسم کر دیا گیا۔ آریں قوموں میں چونکہ عورت محبت کی دیوی ہے اس لئے خدائماں کی شکل اگیا، بعض دوسرے ہندو فرقوں میں اس بے کیف محبت کو زن و شو اور میاں بیو کا لفظوں میں ادا کیا گیا، سدا سداگ فقیروں نے ساڑی اور چوٹی پہن کر اسی حقیقت کو انہی

کیا ہے، رومیوں اور یونانیوں میں بھی عورت ہی کی شکل میں خدا ظاہر ہوا ہے، سامی قوموں میں عورت ہر ملاذ کر تہذیب کے خلاف ہے اس لئے خاندان کی اصل بنیاد پر قرار دیا گیا ہے، اس طرح بابل و اسیریا و شام کے کھنڈروں میں خدا مرد کی صورت میں جلوہ نما ہے، بنی اسرائیل کے ابتدائی تخیل میں خدا باپ اور تمام فرشتے اور انسان اس کی اولاد بتاتے گئے ہیں، بعد کو باپ خدا کی اولاد صرف بنی اسرائیل قرار پاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے بعض صحیفوں میں زن و شوکا تخیل بھی خدا اور بنی اسرائیل کے درمیان نظر آتا ہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اور یروشلم یسوی فرض کیے جاتے ہیں، اور خدا شوہر بنتا ہے، عیسائیوں میں باپ اور بیٹے کی تخیل نے اصلیت اور حقیقت کی جگہ لے لی، عربوں میں بھی اسی قسم کا تخیل تھا، خدا باپ تصور کیا جاتا تھا، اور فرشتے اس کی بیٹیاں، پیغام محمدیؐ نے ان تمام تشبیہی اور تشبیلی صورتوں طریقوں اور محاوروں کو یک قلم موقوف کر دیا، اور ان کا استعمال شرک قرار دیا، اس نے صاف اعلان کیا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ”اس جیسی اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں، اس ایک آیت نے شرک کی ساری بنیادوں کو ہٹا دیا، پھر ایک نہایت ہی چھوٹی سورہ کے ذریعے ان سالوں کے سب سے بڑے وہم کو دور کیا۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَكَ كُفُوًا أَحَدٌ
کدے والے پیغمبر اللہ ایک ہے اللہ خود ہر
چیز سے بے نیاز ہے نہ اور تمام چیزیں اس کی
نیاز مند ہیں، نہ وہ جتنا ہے (جو اس کے اولاد سے)
اور نہ وہ جتنا جاتا ہے (جو کسی کی اولاد سے)
اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے

(خلاصہ)

(جو زن و شوکار شدہ قائم رکھے)

اس ایک سورہ میں قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورہ ہے، توحید کی نکھری ہوئی صورت ظاہر ہوئی ہے، جس کی بنا پر دین محمدیؐ ہر قسم کے شرک کے مخالفوں سے

پاک ہو گیا ہے

دوستو! اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پیغام محمدؐ نے خدا اور بندہ کے درمیان محبت، پیار اور لطف و رحم کے تعلقات کو توڑ دیا ہے، نہیں اس نے ان تعلقات کو اور زیادہ پیوستہ اور مضبوط کر دیا ہے، لیکن ان تعلقات کے ادا کرنے میں جو جسمانی تعبیریں مختلف انسانی شکلوں میں تھیں صرف ان کو توڑ دیا ہے، اس لئے کہ اول تو یہ انسانی طریقہ ادا حقیقت سے بہت کم رتبہ ہے، یعنی اس کی نگاہ میں عید و معبود کے درمیان جو تعلق ہے اس کے مقابلہ میں باپ، بیٹے، ماں بیٹیاں، یا زن و شو کا تعلق محض بیچ اور بالکل کم درجہ ہے، دوسرے یہ کہ ان تعبیروں سے شرک کی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے اسلام نے یہ کہا: اَذْكُرُوا اللَّهَ الَّذِي كَرَّمَكُمْ بِآيَاتِهِ اَوْ لَا تَشْكُرُوا (یاد کرو) دیکھو کہ اس آیت میں محبت الہی کو ادا کرنا تھا تو یہ نہیں کہا کہ "خدا تمہارا باپ" یعنی خدا اور باپ کے رشتہ کو مشبہ اور مشبہ بہ نہیں بنایا۔ بلکہ خدا کی محبت اور باپ کی محبت کو باہم مشبہ اور مشبہ قرار دیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس جسمانی رشتہ کو جو چھوڑ دیا لیکن اس جسمانی رشتہ کی محبت کو اتنی رکھا۔ آگے بڑھ کر اس نے کہا بلکہ باپ سے بہت زیادہ خدا سے محبت رکھنی چاہیے۔ اِذَا شَكَرْتُمْ اَوْ كُفَرْتُمْ اَوْ كُفَرْتُمْ اَوْ كُفَرْتُمْ اَوْ كُفَرْتُمْ اَوْ كُفَرْتُمْ اور بندہ کی محبت اور تعلق کے مقابلہ میں کم رتبہ اور بیچ بکھتا ہے اور اس میں ترقی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ اِيْمَانِ وَالْعَمَلِ سَبْكَ زِيَادَةً خَدَّ سَعِيَّتِ دَكْتَرِيْنَ اِسْلَامِ خَدَّ اَكْبَرُ الْعَالَمِيْنَ دُنْيَا كَا بَابِ "نہیں کہتا بلکہ قرب العالمين دُنْيَا كَا بَابِ کہتا ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ میں اب سے قرب کا رتبہ بہت بلند ہے، باپ کا تعلق بیٹے سے آبی اور عارضی ہے مگر رب کا تعلق اپنے مربوب سے اس کی خلقت اور وجود کے اولین لمحہ سے لیکر آخرین لمحہ تک برابر بلا انقطاع قائم رہتا ہے۔ اسلام کا خدا و دُؤد ہے یعنی محبت والا۔ دُؤد ہے یعنی ایسی رافت اور محبت والا جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہے حُفَات ہے یعنی ایسی محبت والا جیسی ماں کو اپنے بیٹے سے ہے۔ مگر وہ نہ باپ ہے اور نہ ماں بلکہ ان تشبیہوں سے پاک ہے۔

۲۔ حضرات! قدیم مذاہب کے عقیدہ توحید میں غلط فہمیوں کا دوسرا سبب کا مسئلہ ہے یعنی ایسی صفات کو ذات الہی سے الگ مستقل وجود کے طور پر تسلیم کرنا۔ مندوؤں کے عام مذہب میں جو خداؤں کا لاتعداد شکر نظر آتا ہے وہ حقیقت میں اسی غلطی کا نتیجہ ہے کہ ہر ایک صفت کو انہوں نے ایک علیحدہ اور مستقل وجود مان لیا اور اس طرح ایک خدا کے ۳۳ کروڑ خدا بن گئے۔ تعداد چھوڑ کر صفات کی تشبیہ اور تمثیل بھی انہوں نے مجسم کر کے پیش کی۔ خدا کی صفت قوت کو ظاہر کرنا تھا۔ تو انہوں نے اسے واقعی ہاتھ کے ذریعہ سے ظاہر کیا اور اس کی جسمانی تمثیل میں کتنی کتنی ہاتھ بنا دیئے، خدا کی حکمت بالغہ کو سمجھنا نہ تھا، تو ایک سر کے بجائے دوسر کی موت کھڑی کر دی

ہندو مذہب کے فرقوں پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ اسی ایک مسئلہ صفات کے مجسم اور مستقل وجود کے تمثیل سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، خدا کی تین بڑی صفتیں ہیں، خالقیت، فیومیت اور میتیت، یعنی پیدا کرنے والا، قائم رکھنے والا اور فنا کر دینے والا، ہندو فرقوں نے ان صفتوں کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا اور برہما و شترو، اور شیو، یعنی خالق، فیوم، اور میت تین مستقل ہستیاں بن گئیں اور برہمن و شترو پرست اور شیو پرست تین الگ الگ فرقے ہو گئے، اور تینوں کے پوجنے والے الگ الگ ہو گئے لگاتار فرقہ نے خالقیت کی صفت کو اپنا خدا ٹھہر کر مرد و عورت کے آلات تولید کو اس خالق کا مظہر مان لیا اور ان کی تصویر پوجنی شروع کر دی

عیسائیوں نے خدا کی تین بڑی صفتوں، یعنی حیات، علم، اور ارادہ کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا، حیات باپ ہے، علم روح القدس ہے، اور ارادہ بیٹا ہے اسی قسم کی چیزیں رومی، یونانی اور مصری تخیل میں بھی ملتی ہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے اس غلطی کا پردہ چاک کر دیا، اور صفات کی زیرنگی سے دھوکا کھا کر ایک کو چند سمجھنا انسان کی جہالت اور نادانی قرار دیا

قرآن نے کہا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سب خیریاں اسی ایک پروردگار علم اللہ کے لیے ہیں وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی سب اچھی صفتیں اسی کے لئے ہیں، اَللّٰهُ تَعَالٰی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اسی ہی آسمان و زمین کا نور ہے، عرب میں اسی ہستی کو صفتِ رحم سے متصف کہے عیسائی اس کو رحمان کہتے تھے عام مشرکین عرب اس کو اللہ کہتے تھے، قرآن نے کہا۔ قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الْوَسْطٰنَ اَیَّامًا تَدْعُوْا قُلْ اِنَّمَا اَنَا نَحْسَنٰی۔ یعنی اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جو کہہ کر پکارو، سب اچھے نام یا اچھی صفتیں اسی کی ہیں قَالِ اللّٰهُ هُوَ الْوَلٰی وَهُوَ یُحْیِی الْمَوْتٰی وَیَمُوتِی کُلُّ شَیْءٍ رَّحْدٌ سِوَهٗ (شوری) پس خدا وہی پیارا ہے یا وہی کام بنانے والا ہے، وہی مردوں کا زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اَلَا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ہیشیا ربے شک وہی خدا غفور اور رحیم ہے بخشنے والا اور رحمت رنے والا ہے هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمٰوٰتِ اِلٰہُ دُنِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ (نور) وہی آسمان میں خدا ہے اور وہی زمین میں خدا ہے اور وہی حکیم و عظیم ہمت اور جانتے والا ہے، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ مَا بَیْنَهُمَا اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ هٰذَا لَہٗ الْاَھُوْیٰ حِجْی وَیُمِیْتُ بَکُمْ وَرَبُّ اَیَّاکُمْ الْاَوَّلِیْنَ (دخان) وہی سننے والا، علم والا ہے، جو انوں کا اور زمین کا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہے سب کا رب ہے، اگر تم کو یقین آئے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی جلاتا ہے اور وہی دلاتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے "یعنی بنی برہما وہی شیو ہے، وہی شیو ہے تینوں ایک ہی کی صفتیں ہیں، صفات کا تعدد اور اختلاف سے موصوف میں تعدد اور اختلاف نہیں۔

مَلِكِهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ
الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَهُ
الْكِبَرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
(جاثیہ ۳۰)

خدا ہی کے لیے سب خوبی ہے رب، آسمانوں
کا رب ہے زمین کا رب ہے سارے جہاں
کا، اور اسی کو ہے سب بڑائی آسمانوں میں اور
زمین میں، اور وہی زبردست (اور) حکمت
 والا ہے

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ
الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ هُوَ اللَّهُ
الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ جَاعِلُ الْمَلَائِكَةِ
الرُّسُلَ وَمَنْ يُنَادِ الْمَوْتُ
مَنْ مَعِيَ أَلْعَنَ نَفْسًا تَكْفُرُ
هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ
لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ
مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
(حشر - ۳۰)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں
چھے اور کھلے کا جانتے والا ہے مہربان رحم
 والا، وہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی اللہ
نہیں، وہ بادشاہ پاک، صلح دامن، امن دینے
 والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا
 ہے، بڑائیوں والا، پاک ہے اللہ ان باتوں
 سے جن کو یہ مشرک لوگ اس کا شریک ٹھہراتے
 ہیں، وہی خدا ہے جو خالق ہے، جو عدم
 سے لانے والا ہے، جو صورت گری کرنے
 والا ہے، اسی کہتے ہیں، سب اچھے نام
 (یا سب اچھی صفیں) جو کچھ آسمانوں میں
 اور زمین میں (مخلوقات) ہے، سب اس کی
 تسبیح پڑھتی ہیں، وہی غالب (ور) والا
 ہے،

ان صفوں والے خدا کو ہم نے عرف بے نام محمدی ہی کے ذریعے سے
 جانتا ہے ورنہ دوسروں نے تو ذات سے صفات کو الگ کر کے ایک خدا کے چند

فلکڑے کر ڈالے تھے، مُسَبِّحَاتُ اللہِ عَمَّا لَیْسَ کُوْنُ سے مراد وہی شرک ہے جو صفات کو ذات سے الگ کر کے لوگوں نے اختیار کیا تھا، اس آخری پیغام نے بتایا کہ وہی اللہ ہے، وہی خالق ہے، وہی باری ہے، وہی معبود ہے وہی ملک ہے وہی قدوس ہے وہی مومن ہے، وہی عزیز و جبار ہے اور وہی رحمان رحیم ہے۔ ایک ہی ذات کی یہ سب صفیتیں، اور وہ ایک ہے۔

۳۔ شرک کا تیسرا سرچشمہ، افعال الہی کی نیرنگی ہے، لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ان مختلف افعال کی کرنے والی الٰہی ہستیاں ہیں، کوئی مارتی ہے کوئی جلاتی ہے کوئی ٹراتی لڑواتی ہے کوئی صلواتی ہے، کسی کا کام محبت ہے کسی کا کام عداوت ہے، کوئی علم کا دیوتا ہے کوئی دولت کی دیوی ہے، فرض ہر کام کے لیے الگ الگ سنگیڑوں خدا ہیں، اسلام نے ان نادانوں کو بتایا کہ یہ ایک خدا کے کام ہیں۔

تمام افعال کی دو بڑی قسمیں ہیں ایک خیر اور ایک شر، یا یوں کہو کہ ایک اچھی اور دوسری بُری، اس خیال سے کہ ایک ہی ذات سے خیر و شر کے دو متضاد کام نہیں ہو سکتے، زردشتیوں نے خیر اور اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے لئے الگ خدا، شر اور برے کاموں اور بُر چیزوں کے لئے الگ خدا ٹھہرایا، پہلے کا نام یزدان اور دوسرے کا اہرمین رکھا اور دنیا کو اس یزدان اور اہرمین کی باہمی کشمکش کا معرکہ گاہ ٹھہرایا یہ غلطی اگلے ہوئی کہ وہ خیر و شر کی حقیقت نہیں سمجھ سکے، دوستو! خیر و شر دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے، کوئی شے اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر سے نہ شر، افراد و شر انسانوں کے صحیح استعمال اور یا غلط استعمال سے بن جاتی ہے۔ فرض کرو آگ ہے، اگر اس سے کھانا پکاؤ یا انجن چلاؤ یا غریب کو تاپنے کو دو تو یہ خیر ہے، اور اگر اسی سے کسی غریب کا گھر جلا دو، تو یہ شر ہے آگ اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، ہم اپنے استعمال

سے اس کو خیر یا شر بنا دیتے ہو، تلوار نہ تو خود خیر ہے نہ شر، تم اس کو جیسا
استعمال کرو ویسی ہی ہے، تار کی نہ خیر ہے نہ شر، اگر تم اس کو لوگوں کے گھر
میں چھدی کا ذریعہ بناؤ تو شر، اور اگر اپنے کو چھپا کر نیکیوں کے کرنے کا وقت
بناؤ، یا انسان کے حواس کے آرام و سکون اور راحت کا ذریعہ بناؤ تو خیر ہے
خدا نے یہ کائنات بنائی، آسمان و زمین بنائے، مادہ کو خلق کیا، اشیاء
میں خاصیتیں رکھیں، اور ان کو مختلف قوتیں بخشیں، پھر انسان کو بنایا، اس کو دل
و دماغ، غشا، عقل و حکمت دی، اب دیکھو کہ ایک انسان اس کائنات کی
ترتیب، اشیاء کی ترکیب اور خاصیتوں کو دیکھ کر ایک خالق و قادر کی صنعت کا یہی
اور صورت گری پر تعجب کرتا ہوا قَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ پڑھ کر
حضرت ابراہیم کی طرح یہ پکار اٹھتا ہے، اِنِّیْ دَجَمْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ نَظَرْتُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَحَنِیْفاً مَّا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ” میں نے اپنا منہ
سب کی طرف سے پھیر کر اس ذات کی طرف کر لیا، جس نے آسمانوں کو اور زمین
پیدا کیا، اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں دوسری طرف اسی مادہ اور اس کی
قوتوں اور خاصیتوں کی ظاہر داریوں میں بھنس کر انسان کے دل و دماغ کی عقل و حکمت
خدا کا انکار کر بیٹھتی ہے، اور مادہ ہی کو اصل کائنات اور علل العلل سمجھنے لگتی ہے
اور یہ کہہ اٹھتی ہے، وَمَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الَّذِیْنَ اَنۡمُوتُ وَنَحۡیَا وَمَا مِثْلُکُمَا
اِلَّا اَلۡذَّہَرُ (جانتی ہے) اس دنیاوی زندگی کے علاوہ پھر کوئی دوسری زندگی
نہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہم کو زمانہ کے سوا کوئی اور نہیں مارتا۔“
کائنات اور اس کے عجائبات اور خواص، ہر شخص کے سامنے ایک ہی ہیں،
البتہ دماغ ہزاروں ہیں، ان کو دیکھ کر ایک دماغ خدا پرست ہو جاتا ہے، اور
دوسرا گمراہ اور دہرے بن جاتا ہے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک ہی چیز ہے، جو

ہدایت کرنے والی اور گمراہ کرنے والی ہے، یا یوں کہوں کہ کائنات اپنی اصل کے لحاظ سے نہایت کرنے والی ہے، نہ گمراہ کرنے والی، تم اپنی عقل کے اختلاف سے ہدایت پاتے ہو، یا گمراہ ہو جاتے ہیں، تو گویا ایک ہی کائنات ہادی بھی ہے، اور مضل بھی، جس طرح خدا کے اس کام (مادہ) کے نتیجے ہیں اسی طرح خدا کے پیغام کے بھی دونوں نتیجے ہیں، اسی قرآن یا انجیل کو پڑھ کر ایک انسان خدا کو پہچانتا ہے، اور تسلی پاتا ہے، اور دوسرے کے دل میں شبہ پیدا ہوتے ہیں، خطرات آتے ہیں، اور انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پیغام ایک ہے، البتہ دو ہیں، اور یہ دونوں دل اور دونوں دماغ ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں، دو خالق نہیں ہیں، نتیجہ کیا نکلا، یہ نکلا کہ افعال کی دوئی فاعل کی دوئی کبلی نہیں، یہ تمام نیرنگیاں ایک ہی قدرت کے تماشے ہیں، خیر و شر دونوں الہ کے ہاتھ میں ہیں، ہدایت اور ضلالت دونوں اُدھر ہی سے ہے

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا مِّنْ هَٰذِهِۦٓ
كَثِيرًا، وَمَا يُضِلُّ بِهِۦٓ إِلَّا الْفَٰسِقِينَ
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَآثِرَ اللَّهِ بَعْدَ
مِلَّتِهِمْ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ
بِهِۦٓ أَن يَوْصَلَ وَيُفِيسُوا فِي الْأَرْضِ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَٰسِرُونَ
(بقرہ ۶-۳)

اپنے اس کلام کے ذریعہ وہ خدا، بہتوں کو
راہ راست نہیں دکھاتا اور یا گمراہ کرتا ہے اور
بہتوں کو راہ راست دکھاتا ہے، انہی کو راہ راست
نہیں دکھاتا جو خدا کے عہد کو باندھ کر توڑتے
ہیں، جو اس کو کاٹتے ہیں، جس کے جوڑنے کا خدا نے
حکم دیا ہے، اور جو زمین میں فساد کرتے ہیں،
یہی ہیں گمراہ، ٹھکانے والے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ
ان آیتوں سے معلوم ہوگا کہ ہدایت اور ضلالت دونوں کی علت اعلیٰ

وہی ہے مگر دونوں کے لئے ابتدائی محرکات تمہارے ہی ہوتے ہیں، تمہ نے فسق کیا، قطع رحم کیا، فساد کیا، کفر کیا تو اس کے بعد ضلالت آئی، ضلالت پہلے، اور فسق و فجور بعد کو نہیں آیا۔

خدا نے انسان کو پیدا کیا، اور بتا دیا کہ یہ راستہ منزا مقصود کو جاتا ہے اور یہ عین غار میں ان کو لے جا کے گرا دیتا ہے، فرمایا

إِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيلَ إِنَّا شَاكِرًا
وَأَنَّا كَفُورًا (دھر)

ہم نے راستہ اس کو دکھا دیا، (تو وہ) پھر
یا شکر گزار بن جاتا ہے، یا کافر بن جاتا ہے

تمام دنیا کی اچھی بری چیزوں کا وہی ایک خالق ہے، ارشاد ہوا :

اللَّهُ وَمَن يَكْفُرْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَهُ
الْأَعْمَادِ (مومن)

اللہ تمہارا رب ہر چیز کا وہی خالق ہے
اس کے سوا کوئی اللہ نہیں

وَاللَّهُ وَمَن يَكْفُرْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَهُ
الْأَعْمَادِ (مومن)

(صافات ۲۰)

لیکن

أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَرًّا ثُمَّ هَدَى

رُطْبًا (۲۰)

اس نے ہر چیز کو اس کی صورت بخشی، پھر

ہدایت دے دی۔

اب تم ہو جو اس کو ہدایت اور ضلالت اور خیر و شر بتا لیتے ہو، اگر غلط راہ پر چلے

تو ضلالت ہوئی، صحیح راہ پر چلے تو ہدایت ہوئی، صحیح معرفت میں استعمال کیا تو خیر، اور غلط

استعمال کیا تو شر، ورنہ کوئی چیز اپنی اصل کی رو سے ہدایت ہے نہ ضلالت، خیر ہے نہ شر

اس لئے خیر و شر دو چیزیں سمجھ کر دو خدا کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک ہی ہے، جو ان دونوں

کا خالق ہے

عَلَّ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرُدُّكُمْ

کہا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے وہی تم کو

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا يَخْلُوْا دِيْنَكُمْ وَلَا يَكُوْنُوْنَ
 اَسْمَانِ اُوْرُزِيْ سَے روزی دیتا ہے
 اس کے سوا کچھ سجدہ نہیں، تو تم کہہ
 (فاطر)

خدا نے اپنا پیغام تمہارے پروردگروں کو دیا، اب تم ان کو مانو یا نہ مانو،
 ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا
 پھر ہم نے کتب کا وارث ان کو بنایا جن کو
 مِّنْ مَّيْمٰنِنَا فَمِنْهُمْ ظٰلِمٌ لِّنَفْسِهٖ
 ہم نے اپنے ہنڈ میں سے چن لیا تو ان میں
 وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ
 کوئی اپنی جان اگر تلبہ ہے، اور کوئی ان میں سے
 بِالْخَيْرٰتِ يٰۤاٰذِنُ اللّٰهِ
 نیچ کی چال پتا ہے، اور کوئی خدا کے حکم سے
 (فاطر ۳۷)

اور جو پڑے تمہاری سمیت، سو اس کا بدلہ ہے
 وَمَا اَمَّا يَكُوْرُ مِّنْ مَّصِيْبَةٍ قَبْلًا
 جو تمہارے انہوں نے کایا، اور وہ صاف
 كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيْرٍ
 کرتلبہ بہت سی باتوں کو
 (شوری - ۴۵)
 فَالْتَمِسْهَا فِجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ
 ہر نفس میں خدا نے اس کی گنہگاری اور نیکی گاری
 اَفْلَحَ مَنۡ ذَكَرَهَا وَقَدْ مَنَابَ
 الہام کر دی ہے تو جس نے اس نفس کو پاک
 مَنۡ ذَكَرَهَا
 کیا، اس نے نجات پائی، اور جس نے اس کو
 (شمس)

۴۔ خدا کی عبادت ہر مذہب میں تھی اور ہے لیکن قدیم مذاہب میں ایک
 عام غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ عبادت کا مقصود جسم کو تکلیف دینا ہے، یا دوسرے غفلتوں
 میں یہ کہو کہ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جس قدر اس ظاہر کا جسم کو تکلیف دی جائے گی،
 اسی قدر روحانی ترقی ہوگی، اور دل کی اندرونی صفائی اللہ پاکی بڑھے گی، اسی کا نتیجہ
 یہ ہے کہ ہندوؤں میں عام طور سے جوگ اور عیسائیوں میں یہ بپانیت پیدا ہوئی
 اور بڑی بڑی مشکل ریاضتوں کا وجود ہوا، اور ان کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا

کوئی عمر بھر نہانے سے پرہیز کر لیتا تھا، کوئی عمر بھر ٹاٹ یا کیل اوڑھے رہتا تھا، کوئی ہر موسم میں یہاں تک کہ شدید جھاڑوں میں بھی ننگا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کھڑا رہتا تھا غار میں بیٹھ جاتا تھا کوئی ساری عمر دھوپ میں کھڑا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کے لئے کسی چٹان پر بیٹھ جاتا تھا کوئی عہد کر لیتا تھا، کہ پوری زندگی صرف درختوں کی پتیاں کھا کر گزارے گا، کوئی عمر تجرو میں گزار دیتا تھا، اور قطع نسل کو عبادت سمجھتا تھا، کوئی ایک ہاتھ ہوا میں کھڑا رکھ کر سکھا ڈالتا تھا، کوئی حبس دم یعنی سانس روکنے کو عبادت جانتا تھا، کوئی درخت میں اٹا لٹک جاتا تھا، یہ تھا اسلام سے پہلے خدا پرستی کا اعلیٰ درجہ اور روحانیت کی سب سے ترقی یافتہ شکل، پیغام محمدی نے اگر انسانوں کو ان معصیتوں سے نجات دلائی۔ اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں جسمانی تماشے ہیں، ہمارے خدا کو جسم کی شکل نہیں، بلکہ دل کا رنگ مرغوب ہے، طاقت سے زیادہ تکلیف اس کی شریعت میں نہیں

لَا تُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِشْرًا وَلَا نَهْيًا ۚ خُذُوا زِينَتَكُمْ ۚ كُلُوا وَشَابِعُوا رِزْقَكُمْ ۚ وَلَا تَمُوتُوا وَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ

خدا کسی کو جان کو اس کی وسعت سے زیادہ

حکم نہیں دیتا

اسلام نے اس رہبانیت کو بدعت قرار دیا اور کہا

وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَأْتُمْ بِهَا مَعَ الْكُفْرِ ۚ فَكُفُّوا عَنْهَا ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ

اور رہبانیت جس کو انہوں (عیسائیوں) نے دین میں داخل کر دیا، ہم نے ان پر اس کو

کتابنا ہا علیہم

فرمن نہیں کیا تھا،

(سحدید - ۳)

اور آنحضرت صلعم نے اعلان کیا،

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ (ابورؤفد) اسلام میں رہبانیت نہیں

جن لوگوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی جائزہ توں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا

ابن سے قرآن نے سوال کیا :-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي ۖ

کہو کس نے اللہ کی آرائش جس کو اس نے

اُخْرِجَ يُعَذِّبُہٗ (اصواف ۴) اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا، حرام کی
یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلام علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنے اوپر شہد حرام کر لیا
تو تنبیہ ہوئی :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ
اللَّهُ لَكَ (شکوہ ۱) کیا ہے اس کو حرام کیوں کرتا ہے
پیغام محمدیؐ نے سب سے پہلی دفعہ دنیا کرنا کہ عبادت کا مقصود فقط ایک
ہے اور وہ یہ کہ بندہ خدا کے آگے اپنی بندگی کا اقرار کرے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي
سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (موسیٰ ۴۲) جو میری عبادت سے سرکشی کہتے ہیں عنقریب
یعنی عبادت یہی ہے کہ بندہ میں سرکشی نہ لایا یہی چیز عبادت کے مختلف
ارکان کو بجا لا کر انسان ظاہر کرتا ہے، کہ وہ خدا کی سرکش نہیں بلکہ اس کا اطاعت
گزار اور فرمانبردار ہے

اسلام میں عبادت کی غایت اور نتیجہ کیا ہے؟ لفظ حصول تقویٰ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ (بقرہ ۲۱) اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو
جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ
تم کو تقویٰ حاصل ہو

نماز سے فائدہ یہ ہے کہ

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ
وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت ۴۵) یقیناً نماز کھلی کارپیوں اور ناپسندیدہ باتوں

سے روکتی ہے

روزوں سے مقصود یہ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (مائدہ ۸۹) اے مسلمان! تم پر اسی طرح روزہ فرض کیا

الْعِيَّامُ مَرْكَعًا كَتَبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعْنُكُمْ تَشْقُونَ (دبقرہ ۳۳) تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو

حج سے مطلب یہ ہے :

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا أَنَّمَا اللَّهُ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَةٍ عَلَىٰ مَآرِزِهِمْ پند معلوم دنوں میں جو جانوروں کی روزی
مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ، حَجَّ - اللہ نے ان کو دی ہے اس پر اللہ کو یاد کریں
زکوٰۃ سے مقصود، اپنے دل کی صفائی اور غریبوں کی مدد ہے۔

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا أَتَنَافَعًا وَجْهٌ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ
سودیتا ہے اپنا مال دل کی صفائی کرنے کو اور نہ اس لئے کہ کسی کا کوئی احسان اس کے ذمہ ہے جس کا بدلہ چکانا ہے، صرف خدا کے برتر کی
طلب رضا مقصود ہے (اللیل)

نکاح کرنا، اور نسل کو ترقی دینا اسلام کے پیغمبر کی سنت ہے، آپ نے فرمایا

النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي
نکاح میرا طریقہ ہے، اور میں نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں

قرآن مجید نے اولاد و ازدواج کو آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا، اور مسلمانوں کو اس خواہش کا تسنی قرار دیا

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيًّا مُبَرَكًا آمِينَ
اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خداوند! ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں کے ذریعہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر (الغفر قان ۶)

مجدد دوسری عبادتوں کے ایک عبادت قربانی بھی تھی لوگ اپنے آپ کو دیوتاؤں پر قربان کر دیتے، اپنی اولاد کو اپنی ملک سمجھتے اور ان کو بھینٹ چڑھا دیتے تھے دیوتاؤں کو خون کے چھیتے دیے جاتے تھے، جو جانور قربانی کئے جاتے تھے ان کا گوشت

بیویا جاتا تھا، کہ اس کا دھواں دیوتاؤں کو خوش آتا تھا یہودی اسی لئے قربانی کے گوشت کو جلاتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر بتایا کہ قربانی سے مقصود کیا ہے، آپ کے پیغام نے انسانوں کی قربانی ظناً موصوف کر دی، جانوروں کی قربانی جائز رکھی، مگر نہ تو ان کے خون کے چھینٹے دینے کا حکم دیا، اور نہ گوشت کے جلانے کا، اس نے قربانی کی مصلحت یہ بتائی

وَالَّذِينَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَارٍ	اور حج گزرا نیوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ
اللَّهُ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَلَا يُكُودَا	کے نام کا ثانی بنائی، تمہارے لئے ان قربانیوں
اِسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَّافٌ فَإِذَا	میں بھلا ہے، تو ان پر اللہ کا نام پڑھو قطار
وَجَبَّتْ مُكُودُهَا فَكُلُوا مِنْهَا	باندھ کر ادھب وہ ذبح ہو چکیں تو ان میں سے
الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا	کچھ تم کو کھاؤ، اور باقی صابر اور بے قرار
لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ لَسْنَا	غریبوں کو کھلا دو، اسی طرح ہم نے یہ جانور
يَتَنَالِ اللَّهُ لِحُومَهَا وَلَا	تمہارے بس میں دیدیجئے میں تاکہ تم ہمارا
مَاعِزُهَا وَلَكِنْ يَتَنَالُهُ	شکر ادا کر، ہر گوشت کو ان قربانیوں کا گوشت
التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا	اور غول نہیں پہنچتا، لیکن تمہارے دل کا تقویٰ
لَكُمْ وَلِتُحَبِّتُوا إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ مَا	اس کو پہنچتا ہے، اسی طرح ان کو تمہارے بس
هَدَىٰكُمْ وَبَشِّرِ الْمُتَّقِينَ	میں دے دیا تاکہ تم اس بات پر کہ خدا نے تم
	کو راہ بر بھائی، اس کی بڑائی کرو، اور نیکی والوں

(حج - ۵)

کو رہے بغیر، بشارت سنا دے

اسی قربانی کے غلط عقیدہ نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی جان پر آپ قابو ہے، اور وہ اس کی ملکیت ہے، اسی طرح اس کی اولاد کی جان بھی اس کی ملکیت ہے، بیوی کی جان اس کے شوہر کی ملکیت ہے، اس ایک غلط اصول نے خودکشی، دخترکشی، اولاد کو بھینٹ چڑھا دینا یا ان کو مار ڈالنا، اور شوہر کے مرنے

کے بعد بیوی کا ستی ہو جانا، سینکڑوں انسانیت کش رسوم پیدا کر دیئے تھے، پیغام محمدی نے ان سب کی بیخ کنی کر دی، اس نے اپنا اصول یہ مقرر کیا کہ تمام جانیں صرف خدا کی ملکیت ہیں، اور ان کا قتل صرف خدا کے حق کی بنیاد پر ہو سکتا ہے اسی لئے غیر خدا کے نام پر جو جانور ذبح کیا جائے اس کا کھانا ناجائز ہے،

خودکشی کرنے والوں پر اپنی جنت بھی اس نے حرام کر دی، اسلام کے سوا تمام دنیا میں اور اس وقت بھی پودہ پورا امریکہ جیسے مہذب ملکوں میں مشکلات سے بچنے کی بہترین تدبیر خودکشی بھی جاتی ہے، قانون اس کو روکنا چاہتا ہے اور نہیں روک سکتا کیونکہ ہر شخص اپنی جان کو اپنی ملکیت سمجھ رہا ہے اور اس کو دنیا کی مصیبتوں سے چھٹکارے کا ذریعہ بھی کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس موت کے بعد یا تو کوئی زندگی نہیں، اور اگر ہے بھی تو خلا ہم سے ہمارے فعل کی کچھ باز پرس نہ کرے گا، مگر اسلام نے بتایا کہ ہر جان ہماری نہیں بلکہ خدا کی ملکیت ہے، اور اس لئے خودکشی کے ذریعہ سے مصیبتوں سے چھٹکارے کا خیال غلط ہے، کیونکہ اس طرح سے اپنی جان دینے پر دوسری دنیا میں مصیبتوں سے بھی زیادہ پُر مصیبت زندگی شروع ہو جائے گی

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَوَّاهُ اللَّهُ
إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ عَيْنًا وَهُوَ
يَفْعَلُ ذَلِكَ عَذَابًا وَظُلْمًا
فَسَوْفَ نُقَلِّبُهَا نَارًا
(نساء - ۵۷)

اور نہ مارو جان جو منع کی ہے اللہ نے مگر حق پر اور اپنے آپ کو نہ مارو، بے شک خدا تم پر مہربان ہے اور اس لیے مہربانی کی سبب سے تم کو یہ حکم دیتا ہے اور جو خدا کے حکم سے آگے بڑھو اور اپنے آپ پر ظلم کر کے ایسا کرے گا تو ہم اس کو دوزخ کی آگ میں بٹھائیں گے

دختر کشی عرب میں جاری تھی، ہندوستان کے راجپوتوں میں جاری تھی، دنیا کے ملکوں میں جاری تھی، عرب میں تو یہ سنگدلی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، پیغام محمدی کے ایک فقرہ نے اس رسم باطل کا ہمیشہ

کے لئے خاتمہ کر دیا۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ
اور میں دن زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے

ذَنْبٍ قُتِلَتْ، (تکویر) بد چھا ہا یہ لڑکی کہ کس گناہ میں ماری گئی

اپنی اولاد کو قتل کر، عرب میں جرم نہ تھا، آج بھی اس تہذیب کے عالم میں سے کثرت سے بچے اس لئے قتل کر دیے جاتے ہیں کہ ان کی پرورش کا پاس سامان نہیں کیا جاتا ہے کہ لک کی پیداوار کم ہے، اس لئے مردم شماری بڑھنے سے روکنا چاہیے، عرب میں اور سری قوموں کے قانون میں بچے کے پیٹ سے گرا دینے یا ایسے بچے کے قتل پر کوئی پرسش نہ تھی، یونانی میں نو مولود بچوں کا سامان نہ کیا جاتا تھا اور ان میں سے کمزور بچوں کے مینے کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا، اس کو پہاڑ سے نیچے گرا کر مار ڈالتے تھے، اور آج بھی مضبوط تولید برتھ کنٹرول کے نام سے یہی کچھ کہا جا رہا ہے اسلام نے یہ اصول بٹا کر ہمدی کوئی کسی کو نہیں دیتا، وَمَا مِنْ دَائِدٍ

إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ کوئی چلنے والا نہیں، لیکن اس کی ہمدی خدا پر ہے

اس لئے اس نے کہا

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِبْرَٰهِيمَ
اپنی اولاد کو غلطی کے ڈر سے نہ مار ڈالو، ہم ہمدی

نَحْنُ نَزَرُكُمْ وَإِن كُنَّا لَمَكْرَمٌ
دیتے ہیں ان کو اہم کو، بیشک ان کا مارنا

كَانَ خِلَافَ كِبَرِهِمْ (میں اسرائیل) بڑی غلطی ہے

دنیا کی عظیم الشان غلطیوں میں سے، جواب بھی دنیا کے اُس حصہ میں قائم

ہیں، جہاں محمد صلعم کا پیغام قبل نہیں کیا گیا، ایک یہ ہے کہ لوگوں نے خدا کے بندوں

کے درمیان حسب و نسب، الاموال، رنگ و روپ، صودت و شکل کی درجہ داریں قائم

کر دی ہیں، ہندوستان نے ابتداء سے آج تک اپنے سوا سب کو بلجھ اور ناپاک قرار

دیا، اور خود اپنے کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کی

شہدوں کو مذہب کا بھی حق نہ تھا، قدیم ایران میں بھی یہ چار ذاتیں اسی طرح قائم تھیں
 رومن نے اپنے کو آقا فی اور اپنے سوا سب قوموں کو غلامی کے لئے مخصوص کر لیا،
 بنی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دیا، اور سب کو جیستل (چٹل)
 قرار دیا، اور خود اپنی قوم کے اندر بھی مختلف برہمنی مدارج قائم کر دیئے، خود یورپ کا
 اس تہذیب اور انسانی محبت و مساوات کے دعویٰ کے باوجود کیا حال ہے،
 سپید آدمی تہذیب و تمدن کا تھیکہ دار اور اس بارگراں کا امین قرار دیا گیا ہے، کال
 قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں ہیں، ایشیائی قومیں رہ بھی نہیں سکتیں اور ان کے
 ساتھ سفر میں بھی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتیں، بعض ملکوں میں ان کے محلوں (کوارٹرز)
 ہی رہ نہیں سکتیں، اور ان کے حقوق کی برابری نہیں کر سکتیں، امریکہ کے انسانیت پرستوں
 کی نگاہ میں وہاں کے حبشی باشندوں کو جینے کا بھی حق نہیں ہے، اور جنوبی و مشرقی
 افریقہ میں حبشیوں بلکہ ہندوستانیوں بلکہ ایشیائیوں کو بھی انسانی حقوق کی برابری نہیں
 مل سکتی، حقوق دنیادی سے گور کر یہ تفرقہ خدا کے گھروں میں بھی قائم ہیں، کالوں کے
 گرجے الگ ہیں، اور گوروں کے الگ، خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے
 ایک ساتھ ایک خدا کے آگے نہیں جھک سکتے، پیغام محمدی نے ان تمام تفرقوں کو مٹا
 دیا اس کے نزدیک حسب و نسب، مال و دولت، شکل و صورت ان میں سے کوئی چیز
 امتیاز نہیں پیدا کر سکتی، وہ قریش میں کو اپنے حسب و نسب پر غرور و تاز تھا، فتح مکہ
 کے دن کعبہ کے حرم میں کھڑے ہو کر ان کو آپ نے یہ بتایا

یا معشر قریش ان اللہ قد اذهب
 عنکم نخوة الجاهلیة و تعظیما
 بالاباء الناس من آدم و ادم
 سے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور
 اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا، تمام انسان
 آدم کی نسل سے ہیں، اور آدم مٹی سے

محبت الوداع کے مجمع میں پھر اعلان کیا۔

لیس للعر بنی فضل علی العجی وکلا
للعجی فضل علی العربی کلکم بناء
آدم وادم من ثواب (مناہم)
عرب کو عجم کرب پر کوئی فضیلت نہیں ہے
تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور
آدم سٹی سے بنے تھے

پھر بتایا کہ اصلی فرق عمل کا ہے

ان اللہ اذہب عنکم عبیۃ
البحاہلیۃ وفتخر صابا لایا وائماہو
مومن تقی و فاجر شقی، الناس کلہم
بنواد مرواد مخلق من ثواب
(ترمذی و ابوداؤد)
خدا نے جاہلیت کے زمانہ کے غرور اور
نسب کے لڑگوں کو مٹا دیا، انسان اب مستقی
ایماندار ہے اور یا گنہگار بد بخت ہے
تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم سٹی
سے پیدا ہوتے تھے

دوسری محمدی نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بتایا

یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
أَتْقَاهُ
ہمے انسانو تم سب کو خدا نے ایک ہی مرد
و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور
خاندان خاندان صرف اس لئے بنا دیا ہے تاکہ
ایک دوسرے کو پہچان سکو خدا کے نزدیک سب سے

شریف ہے، جو زیادہ پرہیزگار ہے

(حجرات ۲۷۰)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي
تُقَرَّرُ بِكُمْ عِنْدَ نَارِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ آمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ جَزَاءً
الْمُقْتَضَىٰ بِمَا عَمِلُوا (سبا - ع ۵)
نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے
جو تمہارا درجہ ہمارے پاس نزدیک کر دے، لیکن
جو کوئی ایمان لایا، اور اس نے اچھا کام کیا ان
کو اپنے کام کا دوتا بدلہ ملے گا

تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا، اور یہ پیغام ملا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ
 اِخْوَةٌ تَمَامِ مُسْلِمَانِ بھائی بھائی ہیں،، اور آپ نے اسی کے مطابق حجۃ الوداع میں
 ایک لاکھ انسانوں کے سامنے یہ اعلان کیا، کہ المسلم اخو المسلم۔ ہر مسلمان
 دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اس برابر ہی اور برادری نے کلمے گورے،
 عجم، عربی، ترک، تاتاری، زنگی، اور فرنگی کا فرق اٹھا دیا، اور خدا نے ان پر اپنا
 یہ احسان بتایا، کہ لَمَّا خَلَقْنَا بَنِيَّ بَنِيَّ اِنَّمَا هُمْ اَخَوَاتُ اِنَّمَا هُمْ اَخَوَاتُ
 کے سب اب بھائی بھائی ہو گئے ہیں خدا کے گھر میں کوئی فرق نہیں، حسب و نسب
 کا کوئی فرق نہیں، پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں، غربت اور امارت کا کوئی فرق
 نہیں، خدا کے آگے سب برابر ہیں یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شہور، قرآن سب کے
 ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ رشتہ ناتا ہر ایک کا ہو سکتا
 ہے۔ علم ہر ایک کا حق ہے اور حقوق سب کے یکساں ہیں۔ یہاں تک کہ خون بھی سب
 کا برابر ہے۔ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ جان کے بدلے جان۔
 تیرے دربار میں آئے تو کبھی ایک ہوتے

عزیز نوجوانو! میرا دل چاہتا تھا کہ تمہارے سامنے پیغام محمدی کے احسان
 ایک ایک کر کے گناہوں، مگر افسوس کہ بقدرِ حوصلہ فرصت نہیں، اور اس بحرِ ناپید
 کنار کی تھلا بھی نہیں، عورتوں کو جو حقوق پیغام محمدی نے دیے ہیں، اور غلاموں کو
 جس حد تک اس نے عزت دی ہے جی چاہتا تھا کہ اس کو بھی تمہارے سامنے
 پھیلاؤں اور دکھاؤں کہ یورپ یا اس ہمدردِ عوام سے بلندی، ہنوز اسلام کے لوح
 خیال سے نیچے ہے، مگر افسوس کہ وقت نہیں

دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی، وہ دین اور دنیا کا فرق
 ہے، دین کا کام الگ کیا گیا، اور دنیا کا کام الگ، خدا کا حکم الگ ٹھہرایا گیا
 اور قیصر کا حکم الگ، دنیا کے حصول کا الگ راستہ بتایا گیا، اور دین کے حصول کا

اگک، نونساہن اسلام ایہ سب سے بڑی غلطی تھی، جو دنیا میں پھیلی تھی، اس غلطی کا پردہ پیغام محمدی کی نور انگلی شعاہوں نے خاک کر دیا، اس نے بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا ہے یعنی خدا کے اصول کے مطابق دنیا داری ہی دین داری ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر و فکر گوشہ نشینی و عزت گیری کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا دین داری ہے، اور وصیت و احباب، آل و اولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آپ مذکر معاش اور بہودش اولاد دنیا داری ہے، اسلام نے اس غلطی کو مٹایا اور بتایا کہ خدا کے مطابق ان حقوق اور فرائض کو بخوبی ادا کرنا بھی دین داری ہی ہے

اسلام میں نجات کا مدار معجزوں پر ہے، ایمان اور عمل صالح، ایمان، پانچ معجزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے، خدا پر نیکی کی راہ بتانے والے پیغمبروں پر، پیغمبروں تک خدا کا پیغام لانے والے فرشتوں پر، ان کتابوں پر جن میں خدا کے یہ پیغام ہیں۔ اس پیغام الہی کی طاعتی عمل کرنے یا نہ کرنے والوں کی حسرت و سزا، انہی پانچ باتوں پر یقین رکھنا ایمان ہے، اسی ایمان پر عمل کی بنیاد قائم ہے کیونکہ اس ایمان و یقین کے بغیر نیک نیتی اور غلوں کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہو سکتا، دوسری چیز عمل ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے کام صالح اور نیک ہوں، عمل کے جیسا کہ میں نے ساتویں خطبہ میں کہا ہے، تین حصے ہیں، ایک عبادات یعنی وہ عمل جن کے ذریعہ خدا کی بھلائی اور بندہ کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے، دوم معاملات یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین، کاہد بار اور نظم و انت کے قوانین اور قاعدے جن کی وجہ سے انسانی معاشرت بربادی اور ہلاکت سے بچی رہتی ہے، اور ظلم مٹ کر عدل قائم ہوتا ہے، اور سوم اخلاق، یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر گو قانونی حیثیت سے

فرض نہیں ہیں، مگر روح کی تکمیل اور معاشرت کی ترقی کے لئے ضروری ہیں انہی چار چیزوں یعنی، ایمان، عبادات، معاملات، اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہماری نجات کا ذریعہ ہے

نوجوانو! مجھے صفائی کے ساتھ یہ کہنے دو کہ خاموشی، سکون، خلوت، تشیطنی اور منفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے اسلام جدوجہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے، وہ موت نہیں حیات ہے، اس کا فرمان یہ ہے

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ رَجْم ۳۴ انسان کے لئے وہی ہے جو وہ کوشش کرے اور

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (مذہب ۱) ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں گروہ ہے اسلام سرتاپا جہاد اور مجاہدہ ہے لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں بلکہ میدان میں نکل کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے سامنے ہے، خلفائے راشدین کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ عام صحابہ کی زندگی تمہارے سامنے ہے اور وہی تمہارے لئے نمونہ ہے اور اسی میں ہماری نجات ہے۔ اور وہی تمہارا ذریعہ فلاح ہے اور وہی ترقی اور مساوات کی راہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بودہ کے پیغام کی طرح ترک خواہش نہیں ہے بلکہ تسخیر خواہش ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت مسیح کے پیغام کی طرح دولت اور قوت کی تحقیر اور محافعت نہیں ہے بلکہ ان کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستی اور اس کے صحیح استعمال اور مصرف کی تعلیم ہے

دوستو! ایمان اور اس کے مطابق عمل صالح ہی اسلام ہے، اسلام عمل ہے، ترک عمل نہیں، اداائے واجبات ہے، عدم واجبات نہیں، اولتے فرض ہے، ترک فرض نہیں، اس عمل اداان واجبات اور فرائض کی تشریح تمہارے پیغمبر اور ان کے یاران باصفا کی زندگیوں اور سیرتوں میں ملے گی، جن کا نقشہ یہ ہے

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ
محمد خدا کے رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری، آپس میں رحمدل ہیں ان کو دیکھو

تَوَاضَعُ رُكْعًا سَجْدًا يَبْتَغُونَ فِتْلًا
مِنَ اللَّهِ وَرِشْوَاتًا (فتم - ۴)

مکے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں ہیں، وہ خدا کی مہربانی
اور خوشنودی کو اٹھوٹھ رہے ہیں
کافران حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے، آپس میں بلائہ الفت کے جذبات بھی ہیں
کے سامنے رکوع میں تھکے اور سجدہ میں گرے بھی ہیں، اور پھر وہ اپنی خدا کی مہربانی اور رضا کے
طالب بھی ہیں، وہ خدا کی مہربانی، (فضل) قرآن پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاش کو کہتے ہیں، اس
روزی اور معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے

وَبِجَالٍ لَا تَكُنْ لَهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا فَرْدٌ خَدَا
فَوَكَّرَ اللَّهُ، (فوس - ۵)

یہ وہ لوگ ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت خدا
کی یاد سے غافل نہیں کرتی
تجارت، خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری ہیں، خدا کی یاد بھی قائم ہے، وہ ایک کو
چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈتے، بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ
دکھنے جام شریعت در کفے زندان عشق

مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہے، صحابہ و تبع کے سپاہی ہیں، رومی سپہ سالار
مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لئے اسلامی کیپ پی چند جاسوس بھیجتا ہے، وہ یہاں
مسلمانوں کو دیکھ کر واپس جلتے ہیں تو ضربات اثر میں ڈوب جاتے ہیں، وہ جا کر رومی سپہ سالار
کو بتاتے ہیں کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں، ”ہم باللیل رہبان و بالنہار فرسان“
وہ راتوں کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار۔ یہی اسلام کا اصل زندگی ہے

حضرات! آج سلسلہ تقریر کا آخری دن تھا، میرا بال تھا کہ میں آخر تقریریں میں سیرت
محمدی اور پیغام محمدی کے متعلق سب کچھ کہہ سکوں گا، مگر آخر تقریریں کے بعد بھی موضوع تفصیل
کا تشنہ ہے، سب کچھ کہا مگر کچھ بھی نہ کہا

دفتر تمام گشت دیباہیں رسد
ماہمچناں در اول وصفت زمانہ ایم